قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ ۚ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ (آل عمران 74)

روزنامہ

الفضل

لندن

مدیر ابو سعید

Online Edition

منگل 26 مئی 2020ء | 3 شوال 1441 ہجری قمری | جلد:2 | شمارہ: 126

ارشاد باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّۃٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَ یَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ یَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ (آل عمران:105)

اور چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو۔ وہ بھلائی کی طرف بلاتے رہیں اور اچھی باتوں کی تعلیم دیں اور بری باتوں سے روکیں۔ اور یہی ہیں وہ جو کامیاب ہونے والے ہیں۔

فرمانِ رسول ﷺ

فارس قوم

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

اگر ایمان ثریا پر بھی چلا گیا تو سلمان فارسیؓ کی قوم میں سے ایک شخص اسے واپس لے آئے گا۔

(صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ جمعہ حدیث نمبر 4518)

(تفسیر صافی جلد 2 ص698 از محمد بن مرتضیٰ مکتبہ اسلامیہ طہران)

فرمان خلیفہ وقت

خدا چاہتاہے کہ دین واحد پر اپنے بندوں کو جمع کرے

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

کل 23مارچ تھی اور 23مارچ جماعت احمدیہ کی تاریخ میں بڑا اہم دن ہے کیونکہ اس دن حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے جماعت احمدیہ کی باقاعدہ بیعت کے ذریعہ سے بنیاد رکھی۔ آپ نے فرمایا کہ آنے والا مسیح موعود اور مہدی معہود جس کے آنے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی وہ میں ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس لئے بھیجا گیا ہوں تا کہ توحید کا قیام کر کے محبت الٰہی دلوں میں پیدا کروں۔ آپ نے فرمایا کہ ”خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیا۔ ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دین واحد پر جمع کرے۔ یہی خدا تعالیٰ کا مقصد ہے جس کے لئے میں دنیا میں بھیجا گیا۔ سو تم اس مقصد کی پیروی کرو مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے۔“ (رسالہ الوصیت، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 306-307)

پھر آپ نے فرمایا کہ یہ مقام و مرتبہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور آپ سے سچے عشق کی وجہ سے ملا ہے۔ اس لئے تمام دنیا کے لئے یہ پیغام ہے کہ اس رسول سے محبت کرو اور اس کی پیروی کرو۔ اس سے خدا تعالیٰ سے بھی تعلق قائم ہو گا اور حقیقی موحّد بھی بن سکو گے۔

(خطبہ جمعہ 24مارچ 2017ء)

حضرت سلطان القلم کے رشحات قلم

میرا آنا محض مسلمانوں کی اصلاح کے لئے نہیں

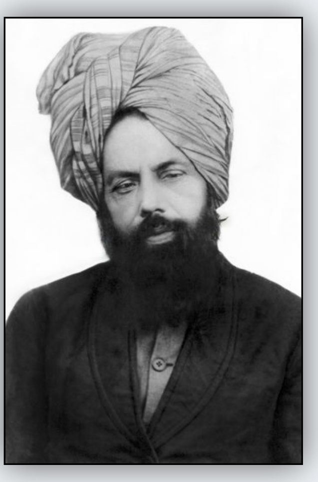

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”یہ بھی واضح ہو کہ میرا اس زمانہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آنا محض مسلمانوں کی اصلاح کے لیے ہی نہیں ہے بلکہ مسلمانوں اور ہندوؤں اور عیسائیوں تینوں قوموں کی اصلاح منظور ہے۔ اور جیسا کہ خدا نے مجھے مسلمانوں اور عیسائیوں کے لیے مسیح موعود کر کے بھیجا ہے ایسا ہی میں ہندوؤں کے لیے بطور اوتار کے ہوں اور میں عرصہ بیس برس سے یا کچھ زیادہ برسوں سے اِس بات کو شہرت دے رہا ہوں کہ میں ان گناہوں کے دور کرنے کے لئے جن سے زمین پُر ہوگئی ہے جیسا کہ مسیح ابن مریم کے رنگ میں ہوں ایسا ہی راجہ کرشن کے رنگ میں بھی ہوں جو ہندو مذہب کے تمام اوتاروں میں سے ایک بڑا اوتار تھا۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ روحانی حقیقت کی رُو سے میں وہی ہوں۔ یہ میرے خیال اور قیاس سے نہیں ہے بلکہ وہ خدا جو زمین و آسمان کا خدا ہے اس نے یہ میرے پر ظاہر کیا ہے۔ اور نہ ایک دفعہ بلکہ کئی دفعہ مجھے بتلایا ہے کہ تو ہندوؤں کے لئے کرشن اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے مسیح موعود ہے۔ میں جانتا ہوں کہ جاہل مسلمان اِس کو سن کر فی الفور یہ کہیں گے کہ ایک کافر کا نام اپنے پر لے کر کفر کو صریح طور پر قبول کیا ہے۔ لیکن یہ خدا کی وحی ہے جس کے اظہار کے بغیر میں رہ نہیں سکتا اور آج یہ پہلا دن ہے کہ ایسے بڑے مجمع میں اس بات کو میں پیش کرتا ہوں کیونکہ جو لوگ خدا کی طرف سے ہوتے ہیں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔“

(لیکچر سیالکوٹ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 228)

اس شمارہ میں

- (اداریہ)حضرت مسیح موعودؑ کے سفر لاہور کی روئیداد
- حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سفر آخرت
- حضرت مسیح موعودؑ ۔فتح نصیب جرنیل
- حضرت مسیح موعودؑ پر ہونے والے اعتراضات آپؑ کی صداقت کا ثبوت
- حضرت مسیح موعودؑ کی غیرت توحید،محبت الٰہی اور توکل علی اللہ
- لفظ بیعت کا تعارف ۔ اس کی اہمیت
- رسول اللہؐ کی بیان فرمودہ حضرت مہدی معہودؑ کی ایک علامت کا ظہور

اداریہ

حضرت مسیح موعودؑ کے سفر لاہور کی روائیداد

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام 27 اپریل 1908ء کو اپنی زوجہ محترمہ حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگمؓ المعروف اماں جان کے علاج کے لئے لاہور تشریف لے گئے۔ مگر آپ کا یہ سفر آپ کی زندگی کا آخری سفر ثابت ہوا اور آپ لاہور میں ہی کچھ عرصہ بیمار رہ کر آج سے 112سال قبل آج ہی کے روز 26مئی 1908ء کو اپنے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

آپ کا جسد خاکی قادیان (انڈیا)لے جایا گیا جہاں حضرت حکیم مولوی نور الدین خلیفۃ المسیح الاولؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس سفر لاہور میں خواجہ کمال الدین صاحب کے گھر میں قیام پذیر ہوئے۔ جہاں آپ کو اَلرَّحِیۡلُ ثُمَّ الرَّحِیۡلُ یعنی دنیا سے کوچ کرنے کے بارہ میں الہامات ہوئے۔ وصال کی گھڑی کے قریب آجانے کے واضح اشارات کے باوجود آپ نہایت استقلال کے ساتھ اپنے دینی و تبلیغی کاموں میں مصروف رہے۔ ظاہری طور پر اس الہام کو پورا کرنے کے لئے آپ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے گھر میں منتقل ہو گئے اور فرمایا یہ بھی ایک قسم کا کوچ ہے۔

اس آخری سفر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جن جگہوں میں قیام فرمایا۔ محافل عرفان منعقد کیں ان تمام کا تعلق احمدیہ بلڈنگز 15برانڈرتھ روڈ حال نشتر روڈ سے تھا۔ اس بلڈنگز کے مشرقی جانب ایک گلی گزرتی ہے جس میں خواجہ کمال الدین صاحب کا گھر ہوا کرتا تھا جو اب اپنی اصل حالت میں موجود نہیں اور گلی کی دوسری جانب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کا گھر تھا جہاں اب احمدیہ بلڈنگز (جو اب محمدیہ بلڈنگز کہلاتی ہے) تعمیر ہوئی۔ اسی میں وہ جگہ بھی ہے جہاں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وصال ہوا۔ اس جگہ کو محفوظ کر لیا گیا ہے۔ خاکسار نے وہ کمرہ اور پلنگ وغیرہ دیکھا ہوا ہے جس پر آپ کی وفات ہوئی۔ یہ مارکیٹ اب انجمن اشاعت اسلام (لاہوری گروپ) کے پاس ہے اس بلڈنگ کے پشت پر ایک خوبصورت مسجد تعمیر ہو چکی ہے۔ جو لاہوری گروپ کے پاس ہے۔

حضرت مولانا ابوالعطاء جالندھری نے 1912ء میں اس جگہ کو اصلی حالت میں دیکھا اور وہ کمرہ بھی دیکھا جہاں حضرت مسیح موعودؑ کی وفات ہوئی۔اس کا ذکر آپ نے روزنامہ الفضل پاکستان میں ”حضرت مسیح موعودؑکے وصال کا مقام“ کے عنوان کے تحت یوں فرمایا۔”حضرت مسیح موعود علیہ اللام کے وصال کی تاریخ 26مئی1908ء ہے۔ اس طرح مورخہ 25مئی1962ء کو آپ کی وفات پر 54برس بیت گئے ہیں۔ حسن اتفاق سے کل خاکسار اور عزیزم مولوی دوست محمد صاحب شاہد لاہور گئے تھے۔ ہم احمدیہ بلڈنگس میں اس مکان کو بھی دیکھنے گئے جہاں 54سال پیشتر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وصال ہوا تھا۔ محترم جناب شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی اور احمدیہ بلڈنگس سے جناب شیخ غلام قادر صاحب ہمارے ہمراہ ہوئے۔ جناب شیخ غلام قادر صاحب نے برانڈرتھ روڈ کی دکانیں دکھائیں جو پہلے ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم کا مکان تھا اور جہاں پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے زندگی کے آخری لمحات بسر فرمائے تھے اب اس مکان کی شکل بھی بدل چکی ہے جو کھلا کمرہ اور ہال تھا اور جہاں جمعہ وغیرہ کی نمازیں اس وقت پڑھی جاتی تھیں۔ وہ سب دکانیں ہیں بڑے کمرہ میں دیواریں حائل ہیں۔ جناب شیخ غلام قادر صاحب نے بتایا کہ یہ سب تبدیلی 1914ء کے بعد ہی ہوئی ہے۔ کتنا رقت انگیز یہ منظر تھا کہ گلی میں کھڑے جب شیخ صاحب موصوف بتا رہے تھے کہ اس گلی کے اوپر دونوں مکانوں کو ملانے کے لئے ایک پل ہوتا تھا جہاں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے کمرہ سے نماز کے لئے آتے تھے تو اس ذکر پر ان کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے ہم سب بھی خاص طورپر متاثر تھے۔ ان مقامات کو دیکھنے سے دل میں ایک درد اٹھتا ہے اور دعانکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد وہ وقت لائے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مشن پوری شان سے کامیاب ہو۔ آمین مجھے محسوس ہوا کہ ہمارے اس طرح جانے سے غیر مبائع احباب میں بھی اس امانت کی یادگاری اہمیت زیادہ محسوس ہونے لگی ہے۔“؟
(لاہور کا آخری سفر اور احمدیہ بلڈنگز صفحہ 118-119)

دعا کی قبولیت اور نشان نمائی میں مقابلہ کی دعوت حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے عرصہ قیام لاہور میں جو تبلیغی امور سرنجام دیئے ان میں سے ایک دعا کی قبولیت اور نشان نمائی میں مقابلہ کی دعوت ہے۔ آپ نے 15مئی 1908ء کو منکرین و مخالفین کو ایک نشان نمائی کی ایک دعوت عام یوں دی کہ میرے مقابل پر 10مولویوں اور 10رؤساء کی طرف سے منتخب شدہ ایک مولوی صاحب اور دو سخت بیماروں کو لایا جائے۔ قرعہ اندازی سے ایک مریض میرے سپرد ہو اور دوسرا مولوی صاحب کے۔ جو اپنے مریض کو خدا تعالیٰ سے شفا دلا دے وہ سچا ہو گا اور میں ابھی سے خبر دیتا ہوں کہ میرے حصہ میں آنے والا مریض شفایاب ہو گا۔اللہ اس کی عمر بڑھائے گا۔ یہ احیاء موتی کے رنگ میں ایک نشان ہوگا۔ (حیات طیبہ صفحہ 254-255)

رؤسائے لاہور کو دعوت طعام 17مئی کو اسی مکان کے صحن میں آپ نے رؤسائے لاہور کو ایک دعوت طعام دی اور احمدیت کا پیغام پہنچایا۔ ایک گھنٹہ کی گفتگو کے بعد آپؑ نے رؤساء لاہور سے پوچھا کہ اب کھانے کا وقت گزرا جاتا ہے۔ میں تقریر بند کرتا ہوں تا کہ کھانا کھا لیا جائے وہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ اکثر حاضرین نے یک زبان ہو کر بآواز بلند کہا کہ یہ مادی کھانا تو ہم روز ہی کھاتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ روحانی غذا ہر روز کہاں نصیب ہوتی ہے۔ آپ تقریر جاری رکھیں چنانچہ آپؑ نے ایک بجے تک اپنے کلام کو جاری رکھا۔

حضرت ملک خدا بخش صحابی حضرت مسیح موعودؑ سابق جنرل سیکرٹری جماعت احمدیہ لاہور اس دعوت کا آنکھوں دیکھا حال یوں بیان کرتے ہیں کہ

”تقریر فرماتے وقت حضورؑ کا وجود ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے گویا ایک تصویر ہے جو بول رہی ہے آنکھیں نیم وا معلوم ہوتی تھیں اور کوئی حرکت ہاتھ پاؤں سے نہیں فرماتے تھے حضورؑ کے ہاتھ میں سونٹی بھی تھی۔ تقریر کے اختتام پر حضورؑ کی خدمت میں دودھ کا ایک گلاس پیش کیا گیا ہم تبرک کی خواہش میں گتھم گتھا بھی ہوئے چنانچہ کچھ دودھ جو فرش پر گر گیا تھا اسے بھی ہم نے اپنی زبانوں سے اٹھا لیا۔“
(لاہور کا آخری سفر اور احمدیہ بلڈنگز صفحہ 121)

پیغام صلح کی تصنیف چونکہ دعوت طعام میں عمائدین کی تعداد محدود تھی اس لئے دعوت عام کے لئے پبلک لیکچر کی تجویز زیر غورآئی اور آپؑ نے اس کے لئے ایک کتاب بصورت پیغام تصنیف فرمائی۔ جس میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان مذہبی صلح کی اہمیت پر چند تجاویزدیں۔ مگر آپؑ کی زندگی نے وفا نہ کیا اور یہ لیکچر آپؑ کی وفات کے بعد 21جون 1908ء کو خواجہ کمال الدین صاحب نے یونیورسٹی کے ہال میں پڑھا۔ جسے ہر قوم وملت کے لوگوں نے نہایت پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ مشہور انگریزی برطانوی رسالہ ”ریویو آف ریویوز“ نے اس مضمون کو مسلمانوں اور ہندوؤں میں ایک سنہری پل قرار دیا۔

وفات مسیح پر لیکچر خواجہ کمال الدین صاحب کے گھر میں آپؑ نے وفات مسیح پر ایک مختصر سی تقریر فرمائی اور فرمایا۔”عیسیٰؑ کو مرنے دو کہ اس میں اسلام کی حیات ہے۔ ایسا ہی عیسیٰ موسوی کی بجائے عیسیٰ محمدی کو آنے دو کہ اس میں اسلام کی عظمت ہے۔“ (لاہور کا آخری سفر احمدیہ بلڈنگز صفحہ 124)

پروفیسر کلیمنٹ ریگ کی ملاقات برطانیہ کے مشہور سیاح اور ہیت دان پروفیسر کلیمنٹ ریگ اپنی اہلیہ کے ہمراہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ملنے کے لئے تشریف لائے۔ آپ نے کچھ سوال حضرت مسیح موعودؑ سے پوچھے۔ تسلی بخش جواب پر کر کہنے لگے۔

”مجھے اپنے سوالات کا جواب کافی اور تسلی بخش ملنے سے بہت خوشی ہوئی اور مجھے ہر طرح سے اطمینان کامل حاصل ہو گیا اور یہ اطمینان دلانا خدا کے نبی کے سوا کسی میں نہیں۔“
(لاہور کا آخری سفر اور احمدیہ بلڈنگز صفحہ 126)

سر میاں فضل حسین بیرسٹر کی ملاقات آپ کے سوال اگر تم غیر احمدیوں کو کافر کہا جائے تو پھر اسلام میں کچھ باقی نہیں رہتا کے جواب میں آپؑ نے فرمایا۔”ہم کسی کلمہ گو کو اسلام سے خارج نہیں کہتے جب تک کہ وہ ہمیں کافر کہہ کر خود کافر نہ بن جائے۔ آپ کو شاید معلوم نہ ہو۔ جب میں نے مامور ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کے بعد بٹالہ کے محمد حسین مولوی ابو سعید صاحب نے بڑی محنت سے ایک فتویٰ تیار کیا جس میں لکھا تھا کہ یہ شخص کافر ہے'دجال' ہے ضال ہے اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے۔ جو ان سے السلام علیکم کرے یا مصافحہ کرے یا انہیں مسلمان کہے وہ بھی کافر۔اب سنو! یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے کہ جو مومن کو کافر کہے وہ کافر ہوتا ہے۔ پس اس مسئلہ سے ہم کس طرح انکار کر سکتے ہیں۔ آپ لوگ خود ہی کہہ دیں کہ ان حالات کے ماتحت ہمارے لئے کیا راہ ہے؟ ہم نے ان پر کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ اب جو انہیں کافر کہا جاتا ہے تو یہ انہیں کے کافر بنانے کا نتیجہ ہے۔ایک شخص نے ہم سے مباہلہ کی درخواست کی ہم نے کہا دو مسلمانوں میں مباہلہ جائز نہیں۔ اس نے جواب میں لکھا کہ ہم تو تجھے پکا کافر سمجھتے ہیں۔ (لاہور کے آخری سفر اور احمدیہ بلڈنگز صفحہ 127)

ان کے علاوہ بہت سے مشہور و معروف گرامی نے آپ سے ملاقات کر کے آپ سے فیض پایا۔ جن میں جناب محمد علی جعفری وائس پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور، ڈاکٹر محمد سعید وغیرہ شامل تھے۔

ایمان افروز واقعہ نوجوانوں نے مشورہ کیا کہ حضورؑ کی گاڑی (رتھ) کو ہم کھینچے یہ دیکھ کر حضور نے فرمایا۔ گھوڑے جوتو! ہم انسان کو حیوان بنانے کے لئے دنیا میں نہیں آئے ہم تو حیوان کو انسان بنانے کے لئے آئے ہیں۔

جماعت کو نصیحت آپ نے فرمایا۔”جماعت احمدیہ کے لئے بہت فکر کا مقام ہے کیونکہ ایک طرف تو لاکھوں آدمی انہیں کافر کہتے ہیں دوسری طرف اگر یہ بھی خدا تعالیٰ کی نظر میں مومن نہ بنے تو ان کے لئے دوہرا گھاٹا ہے۔“ (لاہور کا آخری سفر اور احمدیہ بلڈنگز صفحہ 128)

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے روز مندرجہ بالا الفاظ کو سامنے رکھ کر عہد کریں کہ ہم حقیقی سچے مسلمان بننے کی کوشش کریں۔ جنہیں دیکھ کر دوسروں کو خدا یاد آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی تصویر اُجاگر ہو۔ نیز چلتا پھرتا قرآن کریم کا عکس ہو۔

(نوٹ: یہ تمام ”لاہور کی روحانی قدریں“ سے خلاصۃً لیا گیا ہے) **(ابوسعید)**

ڈاکٹر فضل الرحمن۔ تنزانیہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سفرِ آخرت

وفات سے متعلق مخالفین کے اعتراضات کے جوابات اور احمدیوں کے صبر کا نمونہ

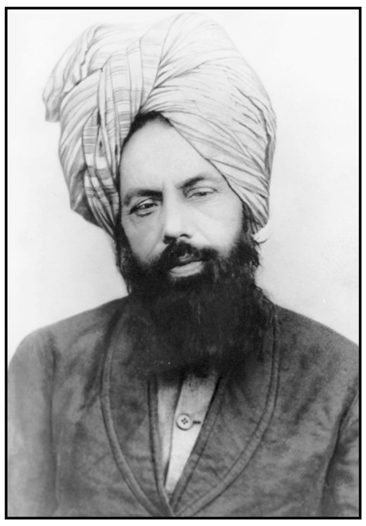

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران:186)

دستِ عزرائیل میں مخفی ہے سب رازِ حیات
موت کے پیالوں میں بٹتی ہے شرابِ زندگی

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بارہ میں معاندین احمدیت جو کذب بیانی سے کام لیتے ہیں اور استہزاء اور ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں اس پر اگرچہ احمدیوں کے دل بہت رنجیدہ ہوتے ہیں مگر انتہائی صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا دکھ اور درد اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر کے اُسی کی پاک اور بابرکت ذات سے فیصلہ طلب کرتے ہیں کہ وہی ہے جو احکم الحاکمین ہے اور جب اُس کا فیصلہ ظاہر ہوتا ہے تو پھر ایسے بد زبانوں اور بدگمانوں کے لئے کوئی جائے پناہ باقی نہیں بچتی۔حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو وصال سے کچھ عرصہ قبل خدا تعالیٰ کی طرف سے واضح طور پر وفات کی خبریں دی گئیں۔ دسمبر 1905ء میں حضور نے ’’رسالہ الوصیت‘‘ تحریر فرمایا اور جماعت کو اس عظیم سانحہ کی خبر دیتے ہوئے فرمایا۔

’’خدائے عزّوجل نے متواتر وحی سے مجھے خبر دی ہے کہ میرا زمانہ وفات قریب ہے اور اس بارے میں اُس کی وحی اس قدر تواتر سے ہوئی کہ میری ہستی کو بنیاد سے ہلا دیا اور اس زندگی کو میرے پر سرد کر دیا۔ الہام ہوا۔ قَرُبَ اَجلُكَ الْمُقَدَّر۔تیری اجل قریب آ گئی ہے۔ بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اس دن سب پر اُداسی چھا جائے گی۔ یہ ہو گا۔ یہ ہو گا۔ یہ ہو گا۔ بعد اس کے تمہارا واقعہ ہوگا۔ تمام حوادث اور عجائباتِ قدرت دکھلانے کے بعد تمہارا حادثہ آئے گا۔‘‘ چنانچہ حضور نے رسالہ ’’الوصیت‘‘ میں جہاں ایک طرف جماعت کو اپنی وفات کے بارہ میں اطلاع دی تو دوسری طرف ایک عالمگیر مالی نظام ’’نظام وصیت‘‘ جاری فرمایا اور بہشتی مقبرہ کی بنیاد رکھی۔ اس کے علاوہ جماعت کو اپنی وفات کے بعد خلافت کی خوشخبری بھی دی اور فرمایا کہ اس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہو گا۔‘‘

حضرت اقدس کے آخری سفرِ لاہور کا پس منظر

دسمبر 1907ء میں اسلام دشمن آریہ سماج وچھو والی نے لاہور میں ایک کانفرنس منعقد کرنے کا اعلان کیا۔ کانفرنس کے منتظمین نے حضرت اقدس کی خدمت میں کوئی چھ یا سات خطوط تحریر کئے اور بڑی لجاجت اور عاجزی اور انکساری سے حضرت اقدس کو اس میں شامل ہو کر اپنا مضمون پڑھنے کی دعوت دی۔ اس کانفرنس کا موضوع تھا ’’کیا کوئی کتاب الہامی ہو سکتی ہے اور اگر ہو سکتی ہے تو کونسی؟‘‘ آریہ سماج کے سیکرٹری ڈاکٹر چرنجیو بھار دواج ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کے قریبی دوست تھے۔ انہوں نے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کو ہر طرح کی تسلی دی اور قسمیں کھائیں کہ یہ کانفرنس پر امن ہوگی اور تمام تقاریر شائستگی اور ادب کے دائرہ میں رہتے ہوئے ہوں گی اور کسی طور پر بھی کسی کے مذہبی جذبات کی دل آزاری نہیں ہو گی۔حضرت اقدسؑ کو پھر بھی اس کانفرنس میں شامل ہونے میں انقباض تھا مگر ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کے اصرار پر حضور مضمون لکھنے پر رضامند ہو گئے مگر خود نہ جانے کا فیصلہ فرمایا۔دراصل آریہ سماج والوں نے سازش کے ذریعہ حضرت اقدس سے اپنے لیڈر لیکھرام کے قتل کا انتقام لینے کا منصوبہ بنایا تھا جو 1897ء میں حضرت اقدس کی پیشگوئی کے مطابق قتل کر دیا گیا تھا جس سے ہر آریہ گھرانے میں صفِ ماتم بچھ گئی تھی۔

جس کی دعا سے آخر
لیکھو مرا تھا کٹ کر
ماتم پڑا تھا گھر گھر
وہ میرزا یہی ہے

کانفرنس کے دوسرے روز 3 دسمبر کو حضورؑ کا مضمون حضرت مولوی نورالدینؓ اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے پڑھ کر سنایا۔ اس کانفرنس میں ہندوستان بھر سے قریباً 400 احمدی نہ صرف اپنے خرچ پر شامل ہوئے بلکہ 4 آنہ فی کس کے حساب سے کانفرنس فیس ادا کر کے منتظمین جلسہ کو گرانقدر مالی فائدہ بھی پہنچایا۔اگلے روز 4 دسمبر کو آریہ سماج کی طرف سے مضمون پڑھا گیا۔ اگرچہ آریہ لیڈروں کی طرف سے شائستگی کی ہر ممکن یقین دہانی کروائی گئی تھی مگر آریہ سماج اپنے خبثِ باطن سے باز نہ رہ سکا اور اسلام اور بانیٔ اسلام کی شان میں اس قدر بد زبانی اور دل آزاری کی کہ مسلمانوں کے جگر پاش پاش ہو گئے۔ شرافت و نجابت کا پردہ سرِ بازار چاک ہو کر رہ گیا۔ انتہائی افسردہ اور دل گرفتہ احمدی جب قادیان واپس آئے اور یہ سارا دلخراش واقعہ حضرت اقدسؑ کے گوش گزار کیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بے انتہا صدمہ ہوا۔آپ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور جلسہ میں شرکت کرنے والے وفد سے فرمایا کہ تمہاری غیرت نے کس طرح برداشت کیا کہ تمہارے آقا حضرت اقدس محمد مصطفےٰ ﷺ کو گالیاں دی گئیں اور تم وہاں بیٹھے سنتے رہے۔ تمہیں فوراً اس جلسہ سے اُٹھ کر آجانا چاہیئے تھا۔ وفد کے اراکین افسوس اور شرمندگی سے سر جھکائے بیٹھے رہے اور حضرت اقدس سے اپنی اس کمزوری اور غلطی پر دلی معذرت طلب کی۔ یہ تھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنے آقا سے عشق اور یہ تھی اس عشق کی غیرت۔ کہاں ہیں وہ دشمنانِ احمدیت جو اس پاک وجود پر توہینِ رسالتِ محمدیہ کا جھوٹا الزام لگاتے نہیں تھکتے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ۔

حضرت اقدس نے بدتہذیب آریوں کو ان کی اس بدعہدی کا جواب دینے کے لئے ایک کتاب چشمۂ معرفت لکھنی شروع کی جو کئی ہفتوں میں مکمل ہو کر 15 مئی 1908ء کو چھپ کر تیار ہوئی۔ دوسری طرف حضرت اماں جانؓ کی طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں رہتی تھی اور آپ چاہتی تھیں کہ لاہور جا کر کسی قابل لیڈی ڈاکٹر سے صحت کے لئے مشورہ کریں۔ چنانچہ حضرت اماں جان کے اصرار پر حضورؑ لاہور جانے کے لئے رضامند ہو گئے۔

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگمؓ کا خواب

حضرت اقدسؑ کی بیٹی سیدہ نواب مبارکہ بیگمؓ نے اس سفر سے کچھ عرصہ قبل ایک خواب دیکھا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے آپؓ فرماتی ہیں۔

’’میں نیچے اپنے صحن میں ہوں اور گول کمرہ کی طرف جاتی ہوں تو وہاں بہت سے لوگ ہیں جیسے کوئی خاص مجلس ہو۔مولوی عبدالکریم صاحب دروازے کے پاس آئے اور مجھے کہا بی بی جاؤ ابا سے کہو کہ رسول کریمؐ اور صحابہؓ تشریف لائے ہیں آپ کو بلاتے ہیں۔ میں اوپر گئی اور دیکھا کہ پلنگ پر بیٹھے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام بہت تیزی سے لکھ رہے تھے اور ایک خاص کیفیت آپ کے چہرہ پر ہے پُر نُور اور پُر جوش۔ میں نے کہا ابا مولوی عبد الکریم صاحب کہتے ہیں رسول کریم ﷺ صحابہؓ کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور آپ کو بلا رہے ہیں۔آپ نے لکھتے لکھتے نظر اُٹھائی اور مجھے کہا جاؤ کہو ’’یہ مضمون ختم ہوا اور میں آیا۔‘‘ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے یہ خواب حضرت اقدس کو بھی سنایا۔

لاہور کے لئے روانگی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام 27۔اپریل 1908ء کو لاہور جانے کے لئے قادیان سے بٹالہ کے لئے روانہ ہوئے۔ اس سفر میں حضور کے ہمراہ 11۔افراد تھے۔روانگی سے قبل حضور نے وہ حجرہ بند کیا جس میں آپ آخری عمر میں تصنیف فرمایا کرتے تھے اور فرمایا ’’اب ہم اس کو نہیں کھولیں گے۔‘‘ایک رات بٹالہ میں قیام فرمایا اور 29۔اپریل کو بذریعہ ریل لاہور پہنچ گئے۔ لاہور میں حضور کا قیام برانڈرتھ روڈ پر واقع احمدیہ بلڈنگ میں تھا۔ ابتدائی 10روز آپ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحبؓ کے گھر پر ٹھہرے مگر اس کے بعد وفات تک آپ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحبؓ کے مکان میں قیام پزیر رہے۔اگرچہ حضرت اقدسؑ کا لاہور کا سفر تبدیلیٔ آب وہوا اور کچھ آرام کے لئے تھا مگر لاہور آ کر مصروفیات میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ شمع جلے اور پروانے نہ آئیں۔عشاقان مسیح موعودؑ کی آمد کا تانتا بندھ گیا جو آپ کے مقدس وجود سے فیض پانے کے لئے جوق در جوق دیارِ مسیح پر پہنچنے لگے۔ مہمانوں اور ملاقاتیوں میں ہر طبقے اور ہر مذہب کے لوگ شامل تھے۔حضرت اقدس کا یہ سفر غیر معینہ مدت کے لئے تھا۔ اس لئے قادیان سے معتبر صحابہؓ بھی لاہور آ گئے اور اخبار البدر بھی لاہور شفٹ کر دیا گیا۔ ملاقاتوں کے علاوہ حضورؑ تقریر و تحریر میں بھی مشغول رہے۔لاہور کے عمائدین اور رؤوسا بھی ملنے آتے رہے۔پروفیسر کلیمنٹ ریگ اور سر فضل حسین نے بھی شرف ملاقات حاصل کیا۔مورخہ 9 مئی کوحضرت اقدس کو الہام ہوا ’’اَلرَّحِيْلُ ثُمَّ الرَّحِيْلُ‘‘ کُوچ کا وقت آ گیا ہے ہاں کُوچ کا وقت آ گیا ہے۔مورخہ 17 مئی کوالہام ہوا ’’مکن تکیہ بر عمر ناپائیدار‘‘ کہ نا پائیدار عمر پر بھروسہ نہ کر۔ مورخہ 20 مئی کو الہام ہوا ’’اَلرَّحِيْلُ ثُمَّ الرَّحِيْلُ وَالْمَوْتُ قَرِيْبٌ‘‘ کُوچ کا وقت آ گیا ہے ہاں کُوچ کا وقت آ گیا ہے اور موت قریب ہےان الہامات میں واضح طور پر حضرت اقدسؑ کو وفات کی خبر دی گئی تھی۔حضرت اماں جانؓ نے سخت گھبراہٹ کا اظہار کیا اور کہا اب قادیان واپس چلیں۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا ’’اب تو ہم اسی وقت جائیں گے جب خدا لے جائے گا۔‘‘ ’’پیغامِ صلح‘‘ وہ مضمون ہے جو 31 مئی کو ایک جلسے میں پڑھا جانا تھا۔حضرت اقدسؑ کی یہ آخری تصنیف ہے جس میں آپ نے ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا اور لکھا کہ دونوں قوموں میں باعثِ تنازعہ دو مسئلے ہیں ۔مذہبی اور سیاسی مگر مذہبی مسئلہ جھگڑے کی اصل بنیاد ہے۔ یہ مضمون حضرت اقدسؑ نے 25 مئی کی شام کو مکمل کیا۔عصر کی نماز کے بعد آپ ہوا خوری کے لئے تشریف لے گئے۔ڈاکٹر بشارت احمد صاحب (غیر مبائع) اپنی مشہور تصنیف مجد اعظم جلد دوم میں لکھتے ہیں۔ ’’گرمی کا موسم تھا۔ حضرت اقدس بمعہ بیوی صاحبہ کے عموماً شام کو فٹن یا بند گاڑی میں بیٹھ کر سیر کو جایا کرتے تھے۔25 مئی 1908ء کی شام کو بھی تشریف لے گئے مگر چہرہ اداس تھا۔کسی نے عرض کیا کہ حضور آج اداس نظر آتے ہیں۔فرمانے لگے ’’ہاں میری حالت اُس ماں کی طرح ہے جس کا بچہ ابھی چھوٹا ہو اور اپنے تئیں سنبھال نہ سکتا ہو اور وہ اُسے چھوڑ کر رخصت ہو رہی ہو۔‘‘ واپسی پر مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھائیں۔

حضورؑ کی بیماری اور وفات

تاریخ احمدیت جلد دوم میں تفصیل سے یہ سارا واقعہ موجود ہے۔ اس کے علاوہ سیرت المہدی حصہ اول اور حیات طیبہ مرتبہ شیخ عبد القادر سوداگرمل اور غیرمبائعین کی کتب میں بھی اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہاں میں سیرت المہدی سے روایت نقل کرتا ہوں۔

’’روایت نمبر 12۔بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ بیان کیا مجھ سے حضرت

والدہ صاحبہ نے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام آخری بیماری، بیمار ہوئے اور آپ کی حالت نازک ہوئی تو میں نے گھبرا کر کہا ’’اللہ یہ کیا ہونے لگا ہے‘‘ اس پر حضرت صاحب نے فرمایا ’’یہ وہی ہے جو میں کہا کرتا تھا۔‘‘خاکسار مختصراًعرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود 25مئی 1908ء یعنی پیر کی شام کو بالکل اچھے تھے۔رات کوعشاء کی نماز کے بعد خاکسار باہر سے مکان میں آیا تو میں نے دیکھا کہ آپؑ والدہ صاحبہ کے ساتھ پلنگ پر بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے۔ میں اپنے بستر پر جا کر لیٹ گیا اور پھر مجھے نیند آ گئی۔رات کے پچھلے پہر صبح کے قریب مجھے جگایا گیا یا شائد لوگوں کے چلنے پھرنے اور بولنے کی آواز سے میں خود بیدار ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسہال کی بیماری سے سخت بیمار ہیں اور حالت نازک ہے اور اِدھر اُدھر معالج اور دوسرے لوگ کام میں لگے ہوئے ہیں۔ جب میں نے پہلی نظر حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ڈالی تو میرا دل بیٹھ گیا کیونکہ میں نے ایسی حالت آپ کی اس سے پہلے نہ دیکھی تھی اور میرے دل میں یہی اثر پڑا کہ یہ مرض الموت ہے۔ اس وقت آپ بہت کمزور ہو چکے تھے۔ اتنے میں ڈاکٹر نے نبض دیکھی تو ندارد۔سب سمجھے وفات پا گئے ہیں اور یک دم سب پر ایک سناٹا چھا گیا۔مگر تھوڑی دیر بعد نبض میں پھر حرکت پیدا ہوئی مگر حالت بدستور نازک تھی۔ اتنے میں صبح ہو گئی اور حضرت مسیح موعودؑ کی چارپائی کو باہر صحن سے اُٹھا کر اندر کمرے میں لے آئے۔جب ذرا اچھی روشنی ہو گئی تو حضرت مسیح موعود نے پوچھا کیا نماز کا وقت ہو گیا ہے؟ غالباً شیخ عبدالرحمان صاحب قادیانیؓ نے عرض کیا کہ حضورؑ ہو گیا ہے۔ آپؑ نے بستر پر ہی ہاتھ مار کر تیمم کیا اور لیٹے لیٹے ہی نماز شروع کر دی۔مگر آپ اسی حالت میں تھے کہ غشی سی طاری ہو گئی اور نماز کو پورا نہ کر سکے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپؑ نے پھر دریافت فرمایا کہ صبح کی نماز کا وقت ہو گیا ہے؟ عرض کیا گیا حضور ہو گیا ہے۔آپ نے پھر نیت باندھی مگر مجھے یاد نہیں کہ نماز پوری کر سکے یا نہیں۔اس وقت آپ کی حالت سخت کرب اور گھبراہٹ کی تھی۔غالباً آٹھ یا ساڑھے آٹھ بجے ڈاکٹر نے پوچھا کہ کہ حضور کو خاص طور پر کیا تکلیف محسوس ہوتی ہے؟ مگر آپ جواب نہ دے سکے۔اس لئے کاغذ قلم دوات منگوائی گئی اور آپ نے بائیں ہاتھ پر سہارا لے کر بستر سے کچھ اُٹھ کر لکھنا چاہا مگر بمشکل دو چار الفاظ لکھ سکے اور پھر بوجہ ضعف کے کاغذ کے اوپر قلم گھسٹتا چلا گیا اور آپ پھر لیٹ گئے۔یہ آخری تحریر جس میں غالبًا زبان کی تکلیف کا اظہار تھا اور کچھ حصہ پڑھا نہیں جاتا تھا جناب والدہ صاحبہ کو دے دی گئی۔ نوبجے کے بعد حضرت صاحبؑ کی حالت زیادہ نازک ہوگئی اور تھوڑی دیر بعد غرغرہ شروع ہو گیا۔ غرغرہ میں کوئی آواز وغیرہ نہیں تھی بلکہ صرف سانس لمبا لمبا اورکھچ کِھچ کر آتا تھا۔خاکسار اس وقت آپ کے سرہانے کھڑا تھا۔یہ حالت دیکھ کر والدہ صاحبہ کو جو اس وقت ساتھ والے کمرے میں تھیں اطلاع دی گئی وہ مع چند گھر کی مستورات کے آپ کی چارپائی کے پاس آ کر زمین پر بیٹھ گئیں۔اس وقت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب لاہوری نے آپ کی چھاتی میں پستان کے قریب انجیکشن یعنی دوائی کی پچکاری کی جس سے وہ جگہ کچھ اُبھر آئی مگر کچھ افاقہ محسوس نہ ہوا۔ بلکہ بعض لوگوں نے بُرا منایا کہ اس حالت میں آپؑ کو کیوں تکلیف دی گئی ہے۔ تھوڑی دیر تک غَرغَرہ کا سلسلہ جاری رہا اور ہر آن سانسوں کے درمیان وقفہ لمبا ہوتا گیا۔ حتی کہ آپ نے ایک لمبا سانس لیا اور آپ کی روح رفیق اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ وَعَلٰى مُطَاعِهِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔خاکسار نے والدہ صاحبہ کی یہ روایت جو شروع میں درج کی گئی ہے جب دوبارہ والدہ صاحبہ کے پاس برائے تصدیق بیان کی اور حضرت مسیح موعود کی وفات کا ذکر آیا تو والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ حضرت مسیح موعود کو پہلا دست کھانا کھانے کے وقت آیا تھا۔مگر اس کے بعد تھوڑی دیر تک ہم لوگ آپ کے پاؤں دباتے رہے اور آپ آرام سے لیٹ کر سو گئے اور میں بھی سو گئی۔لیکن کچھ دیر کے بعد آپ کو پھر حاجت محسوس ہوئی اور غالباً ایک یا دو دفعہ رفع حاجت کے لئے آپ پاخانہ تشریف لے گئے۔ اس کے بعد آپ نے زیادہ ضعف محسوس کیا تو اپنے ہاتھ سے مجھے جگایا۔ میں اُٹھی تو آپ کو اتنا ضعف تھا کہ آپ میری چارپائی پر ہی لیٹ گئے اور میں آپ کے پاؤں دبانے کے لئے بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت صاحب نے فرمایا تم اب سو جاؤ۔ میں نے کہا نہیں میں دباتی ہوں۔اتنے میں ایک اور دَست آیا مگر اب اس قدر ضُعف تھا کہ آپ پاخانہ نہ جا سکتے تھے اس لئے میں نے چارپائی کے پاس ہی انتظام کر دیا اور آپ وہیں بیٹھ کر فارغ ہوئے اور پھر اُٹھ کر لیٹ گئے اور میں پاؤں دباتی رہی۔مگر ضعف بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ایک اور دست آیا اور پھر آپ کو ایک قے آئی۔ جب آپ قے سے فارغ ہو کر لیٹنے لگے تو اتنا ضُعف تھا کہ آپؑ لیٹتے لیٹتے پشت کے بل چارپائی پر گر گئے اور آپ کا سر چارپائی کی لکڑی سے ٹکرایا اور حالت دگرگوں ہو گئی۔ اس پر میں نے گھبرا کر کہا ’’اللہ یہ کیا ہونے والا ہے‘‘ تو آپؑ نے فرمایا ’’یہ وہی ہے جو میں کہا کرتا تھا۔‘‘خاکسار نے والدہ صاحبہ سے پوچھا کہ کیا آپ سمجھ گئی تھیں کہ حضرت صاحبؑ کا کیا منشاء ہے؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا ۔’’ہاں‘‘والدہ صاحبہ نے یہ بھی فرمایا کہ جب حالت خراب ہوئی اور ضُعف بہت ہو گیا تو میں نے کہا مولوی صاحب (حضرت مولوی نورالدین)کو بلا لیں؟ آپ نے فرمایا بلالو نیز فرمایا محمود کو جگا لو۔ پھر میں نے پوچھا محمد علی خان یعنی نواب صاحب کو بلا لوں؟ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ حضرت صاحب نے اس کا کچھ جواب دیا یا نہیں اور دیا تو کیا دیا۔نیز حضرت والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ حضرت صاحب کو اسہال کی شکایت اکثر ہو جایا کرتی تھی جس سے بعض اوقات بہت کمزوری ہوجاتی تھی اور آپ اسی بیماری سے فوت ہوئے۔‘‘

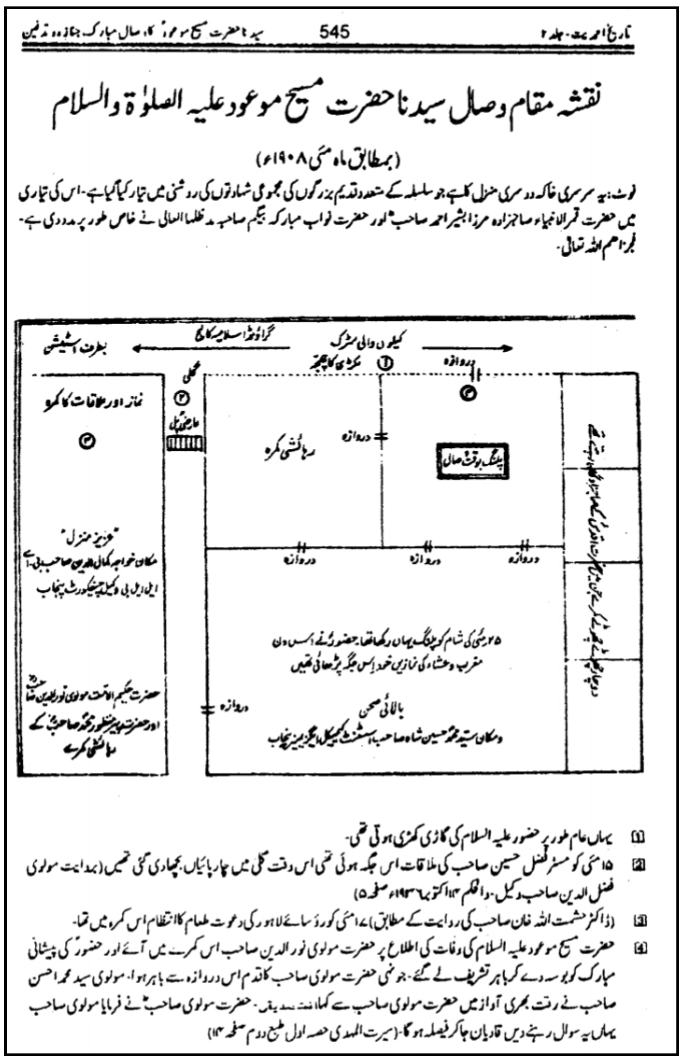

سیرت المہدی کی روایت میں نے اوپر درج کر دی۔اس کے علاوہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے مکرم ناصر احمد بی اے ایل ایل بی نے ایک کتاب ”An account of the last days and death of Hazrat Mirza Ghulam Ahmad in Lahore with a brief history of Ahmadiyya Buildings“ کے نام سے شائع کی۔ اس میں وہ لکھتے ہیں۔’’صبح دو یا تین بجے آپؑ کو بہت ضُعف ہو گیا۔ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحبؓ، مولانا نورالدین صاحبؓ، خواجہ کمال الدین صاحبؓ اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحبؓ کو بلایا گیا۔ حضورؑ نے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحبؓ کو اپنے قریب آنے کو کہا اور فرمایا’’مجھے ایک بڑا دست آیا ہے کچھ دوائی تجویز کریں‘‘پھر فرمایا ’’اصل شفاء تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے آپ دوائی بھی تجویز کریں اور دعا بھی کریں۔‘‘ علاج شروع کر دیا گیا۔’’جب حالت زیادہ خراب ہوئی اور نبض رک گئی تو اس وقت ڈاکٹر سُدرلینڈ کو بلایا گیا۔حافظ فضل احمد صاحبؓ پاس بیٹھے سورت یٰسین کی تلاوت کر رہے تھے۔ اوپر درج کی گئی دونوں روایات کو ملا کر پڑھیں تو پتہ چلتا ہے کہ 26 مئی کی صبح آٹھ یا ساڑھے آٹھ بجے جن ڈاکٹر صاحب نے حضورؑ کا معائنہ کیا اور پوچھا کہ حضورؑ کو خاص طور پر کیا تکلیف محسوس ہوتی ہے وہ ڈاکٹر سُدرلینڈ تھے(ان کا تعارف آگے آئے گا)۔ یہاں ایک تیسری روایت کا ذکر بھی بہت ضروری ہے جو مخالفین کی جانب سے بڑے تواتر سے پیش کی جاتی ہے۔ حضرت اقدسؑ کے خسر حضرت میر ناصر نوابؓ نے اپنی سوانحِ حیات ’’حیاتِ ناصر‘‘کے نام سے مرتب کی۔ یہ سوانح عمری حضرت میر صاحبؓ کی وفات کے 3 سال بعد 1927ء میں حضرت شیخ یعقوب علی عرفانیؓ ایڈیٹر الحکم نے شائع کی۔آپ اس میں لکھتے ہیں ’’حضرت صاحبؑ جس رات کو بیمار ہوئے اس رات کو میں اپنے مقام پر جا کر سو چکا تھا۔جب آپؑ کو بہت تکلیف ہوئی تو مجھے جگایا گیا تھا۔ جب میں حضرت صاحبؑ کے پاس پہنچا اور آپؑ کا حال دیکھا تو آپؑ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ’’میر صاحب مجھے وبائی ہیضہ ہو گیا ہے اس کے بعد آپؑ نے کوئی ایسی صاف بات میرے خیال میں نہیں فرمائی۔یہاں تک کے دوسرے روز دس بجے کے بعد آپؑ کا انتقال ہو گیا ’’اس روایت کے نیچے حضرت شیخ یعقوب علی عرفانیؓ نے مندرجہ ذیل نوٹ لکھا یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذاتی خیال تھا جبکہ حضور کی نعش مبارک کو ریل میں لے کر جانے کے لئے آپ کے معالج ڈاکٹر سُدر لینڈ پرنسپل میڈیکل کالج لاہور کی تصدیق پر افسر مجاز سول سرجن لاہور ڈاکٹر کننگھم نے سرٹیفیکیٹ دیا کہ حضورؑ کی وفات اعصابی تھکان سے اسہال کی وجہ سے ہوئی تھی اس لئے ریل میں لے جایا جا سکتا ہے۔‘‘ صبح ساڑھے دس بجے حضرت اقدسؑ کی وفات ہوئی۔ جسدِ اطہر کو غسل دینے کی سعادت بھائی عبدالرحیم، شیخ رحمت اللہ صاحب اور ایک اور احمدی کو حاصل ہوئی۔اڑھائی بجے تک غسل اور کفن سے فراغت کے بعد احمدیہ بلڈنگ میں جنازہ پڑھا گیا جو حضرت مولانا نورالدینؓ نے پڑھایا۔ چار بجے شام جنازہ دل گرفتہ اور اشکبار احمدیوں نے اپنے کندھوں پر اُٹھا کر لاہور ریلوے سٹیشن پہنچایا۔ ریلوے کا سیکنڈ کلاس کا ڈبہ حضرت اقدسؑ کے جسد مبارک کے لئے ریزرو کروایا گیا تھا۔

جنازہ کی لاہور سے روانگی اور قادیان آمد شام پونے چھ بجے گاڑی لاہور سے بٹالہ کے لئے روانہ ہوئی اور رات10بجے بٹالہ پہنچی۔نعش مبارک کو صندوق سے نکال کر چارپائی پر رکھا گیا۔27مئی کو صبح 2 بجے حضورؑ کا جسد مبارک احمدیوں نے کاندھوں پر اُٹھایا اور قادیان روانہ ہوئے اور صبح آٹھ بجے قادیان پہنچ گئے۔ تابوت علیحدہ طور پر قادیان پہنچایا گیا۔ عشاقانِ مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مولانا نورالدین صاحب کو بالاتفاق خلیفۃ المسیح الاولؓ منتخب کر کے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔جس کے فوراًبعد حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جنازہ پڑھایا۔ شام 6بجے بہشتی مقبرہ قادیان میں تدفین عمل میں آئی۔حضرت اقدسؑ کا جسد اطہر لحد میں رکھا گیا جو قبر کے فرش پر بنائی گئی تھی۔ اور لکڑی کا وہ تابوت جس میں نعش لاہور سے بٹالہ تک لائی گئی تھی اسے توڑ کر اس کے ٹکڑوں سے اس لحد کو ڈھانپا گیا اور بعد میں مٹی ڈالی گئی۔

لاہور میں مخالفین کی اخلاق سوز اور شرمناک حرکات

حضرت اقدسؑ کی لاہور آمد کے ساتھ ہی مخالفین کے خبثِ باطن کا اظہار شروع ہو گیا۔اوباشوں نے احمدیہ بلڈنگ کے باہر ڈیرے لگا لئے اور دشنام طرازی اور بداخلاقی کا وہ مظاہرہ کیا کہ بیان سے باہر ہے۔ حضرت اقدسؑ اپنے غلاموں کو صبر کی مسلسل تلقین فرماتے رہے اور کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا۔مگر جیسے ہی 26 مئی کو حضرت اقدسؑ کی اچانک وفات کی خبر پھیلی ہزاروں بدفطرت اور دریدہ دہن حضرت اقدسؑ کی جائے وفات کے باہر اکٹھے ہوگئے اور جس قدر کمینگی اور گھٹیا پن کا مظاہرہ ہو سکتا تھا وہ شروع کر دیا گیا۔ قریب تھا کہ اوباشوں اور غنڈوں کا یہ طائفہ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے مکان پر حملہ آور ہوتا۔ پولیس کی بھاری نفری پہنچ گئی اور حالات کو کنڑول میں لایا گیا۔یہاں سے نامراد ہو کر یہ بدتہذیب لوگ اسلامیہ کالج کی گراؤنڈ میں جمع ہوگئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر جشن منانے اور مغلظات بکنے میں مشغول ہو گئے۔جب حضرت اقدسؑ کا جنازہ لاہور ریلوے سٹیشن لے جایا جا رہا تھا ان معاندین نے ایک جعلی جنازہ تیار کیا جو اصل جنازہ کے پیچھے پیچھے لایا گیا اور عشاقانِ مسیح موعودؑ کی جس قدر دل آزاری ہو سکتی تھی کی گئی مگر آفرین ہے غلامانِ مسیح محمدیؑ پر کہ ان کے جگر پاش پاش ہوگئے مگر ان مخالفین کی دریدہ دہنی کے مقابل صبر و استقلال کی چٹان بنے رہے اور ایک لفظ مُنہ سے نہ نکالا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ اپنی کتاب سلسلہ احمدیہ میں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”دوسری طرف جب حضرت مسیح موعود کی وفات کی خبر مخالفوں تک پہنچی تو ایک آنِ واحد میں لاہور کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک بجلی کی طرح پھیل گئی اور پھر ہماری آنکھوں نے مسلمان کہلانے والوں کی طرف سے وہ نظارہ دیکھا جو ہمارے مخالفوں کے لئے قیامت تک ایک ذلت اور کمینگی کا داغ رہے گا۔ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات سے نصف گھنٹہ کے اندر اندر وہ لمبی اور فراخ سڑک جو ہمارے مکان کے سامنے تھی شہر کے بدمعاش اور کمینہ لوگوں سے بھر گئی اور ان لوگوں نے ہمارے سامنے کھڑے ہو کر خوشی کے گیت گائے اور مسرت کے ناچ ناچے اور شادمانی کے نعرے لگائے اور فرضی جنازے بنا بنا کر نمائشی ماتم کے جلوس نکالے۔ ہماری غم زدہ آنکھوں نے ان نظاروں کو دیکھا اور ہمارے زخم خوردہ دل سینوں کے اندر خون ہو کر رہ گئے۔مگر ہم نے ان کے اس ظلم پر صبر سے کام لیا اوراپنے سینوں کی آہوں تک کو دبا کے رکھا۔ اس لئے نہیں کہ یہ ہماری کمزوری کا زمانہ تھا بلکہ اس لئے کہ خدا کے مقدس مسیحؑ نے ہمیں یہی تعلیم دی تھی کہ

گالیاں سُن کر دعا دو پا کے دکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار

(سلسلہ احمدیہ صفحہ 179)

جنازہ ریلوے اسٹیشن پہنچا تو اسٹیشن ماسٹر نے جنازہ ریلوے کے ذریعہ بٹالہ بھجنے سے انکار کر دیا کیونکہ اس تک یہ جھوٹی اطلاع پہنچائی گئی تھی کہ حضرت اقدسؑ کی وفات ہیضہ سے ہوئی ہے اور سرکاری قانون کے تحت کسی بھی Contageous Disease سے وفات یافتہ کی میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جا سکتا تھا۔اس پر حضرت شیخ رحمت اللہؓ نے ڈاکٹر سُدرلینڈ کا تصدیقی سرٹیفکیٹ پیش کیا جس میں واضح لکھا تھا کہ حضرت اقدسؑ کی وفات ہیضہ سے نہیں ہوئی۔ اس پر جنازہ ریل میں لے جانے کی اجازت دے دی گئی۔

حضرت اقدس کی وفات پر اعتراضات اور ان کے جوابات

اعتراض نمبر 1:مرزا صاحب کی وفات ہیضہ سے ہوئی؟

جواب: یہ بات قطعی طور پر بے بنیاد اور کلیتہً جھوٹ ہے۔ حضرت اقدسؑ کو اسہال کی پرانی تکلیف تھی جو سخت دماغی محنت اور تھکاوٹ کی وجہ سے عموماً بڑھ جایا کرتی تھی۔حضرت اقدس محمد مصطفےٰ ﷺ نے آنے والے مسیح موعود کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی بتائی تھی کہ مسیح دو زرد چادروں میں لپٹا ہوا نازل ہو گا۔رسول اللہ ﷺ کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں۔ زرد رنگ بیماری کی علامت ہوتا ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ مسیح موعودؑ کو اپنے جسم کے اوپر کے حصہ میں اور نچلے حصہ میں بیماریاں لاحق ہوں گی۔ اگر یہ بات بغیر حکمت کے ہوتی تو صرف زرد رنگ سے مسیح موعودؑ کی شان میں کیا اضافہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کوMIGRAINاورVERTIGOیعنی شدید سردرد اور چکروں کی تکلیف تھی اور کثرتِ پیشاب اور اسہال کی بیماری تھی اور یہ بیماریاں اسلام کی مدافعت میں سخت اور مسلسل دماغی کام کرنے کے نتیجے میں لاحق ہوئی تھیں۔اس کے علاوہ حضورؑ کو ذیابیطس(DIABETES MELLITUS) کا مرض لاحق تھا جس میں پیشاب کثرت سے آتا ہے۔ مزید برآں سخت دماغی کام کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اعصابی کمزوری کی وجہ سے بھی پیشاب بار بار اور کثرت سے آتا ہے۔ اس بیماری کوNervous Polyuria کہا جاتا ہے۔حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار بہت دعا کی اے خدا تُو نے اتنا عظیم الشان کام میرے سپرد کیا ہے اور یہ بیماریاں بھی ساتھ لگا دیں اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل میں ڈالا گیا کہ یہ بیماریاں ساتھ رہیں گی کیونکہ یہ مسیح موعودؑ کو نشان کے طور پر دی گئی ہیں۔ جہاں تک ہیضہ کا تعلق ہے اس کا دور دور تک کوئی سراغ نہیں ملتا۔ سیرت المہدی کی روایت کے مطابق حضرت اقدس کو پانچ چھ مرتبہ اسہال کی تکلیف ہوئی اور ایک دفعہ قے آئی۔ ایک عام آدمی جو میڈیکل سے ناواقف ہے وہ کوئی بھی نتیجہ نکال سکتا ہے مگر ڈاکٹرز اور میڈیکل کے طلباء اچھی طرح جانتے ہیں کہ کسی بیماری کی تشخیص محض چند علامات سے ہر گز نہیں کی جا سکتی کیونکہ بہت سی علامات متعدد بیماریوں میں مشترک ہوتی ہیں اور بیماری کی اصل تشخیص کے لئے بعض اوقات بڑی تگ ودو کرنی پڑتی ہے۔ مثلا ملیریا اور ٹائیفائڈ کی بہت ساری علامات مشترک ہوتی ہیں اور بغیر لیبارٹری چیک اپ کے تشخیص کرنا مشکل ہوتا ہے۔ افریقہ میں چونکہ ملیریا بہت عام ہے اس لئے ہر بخار کو ملیریا سمجھ لیا جاتا ہے۔اب آئیے اسہال کی طرف جنہیں میڈیکل کی زبان میں Diarrhea کہا جاتا ہےDiarrhea کو دو بڑی اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

Types of Diarrhea

1- **Iinfective Diarrhea:**Common types of infective diarrhea include Gastroenteritis-Viral-Bacterial۔ Dysentery.

i- Amoebic dysentery (caused by Amoeba Hystolytica).

ii- Bacillary dysentery (Shigellosis)

iii- Cholera (caused by a bacteria vibrio cholera)

iv- Food poisoning etc

2- **Non Infective Diarrhea**: Common types of non infective diarrhea include

i- irritable bowel syndrome

ii- Drugs induced diarrhea

iii- Stress diarrhea etc

The Most Common Cause For Infective Diarrhea Is Consuming Contaminated Food And Water.

اب اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دورہ لاہور کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ حضرت اقدسؑ نے اپنے اس پورے سفر میں کبھی گھر سے باہر کا کھانا نہیں کھایا۔ کسی کی دعوت قبول نہیں کی، نہ کسی ہوٹل سے کھانا کھایا۔ حضورؑ کا کھانا حضرت اماں جانؓ خود یا اپنی نگرانی میں تیار کرواتی تھیں۔ سیرت المہدی کی روایت دوبارہ پڑھ لیں۔حضرت مرزا بشیر احمدؓ لکھتے ہیں کہ شام کو جب میں باہر سے واپس آیا تو میں نے دیکھاحضرت مسیح موعودؑ اور حضرت اماں جانؓ پلنگ پہ بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔ اب اگر کھاناinfected ہوتا تو حضرت اماں جانؓ کو بھی اسہال کی تکلیف ہو جاتی۔ لیکن حضرت اقدسؑ کے گھر کے کسی فرد کا بھی پیٹ خراب نہ ہوا۔ اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت اقدسؑ کو اسہال کی تکلیف کسی Infection کی وجہ سے نہیں تھی۔ اب جب کہ میں نے ثابت کیا ہے کہ یہ Infevtive Diarrhea نہیں تھا تو ہیضے کا الزام کلیتّہً باطل ہو جاتا ہے۔

ایک اور بات جس کا بڑی شدّو مد سے ذکر کیا جاتا ہے وہ حضرت اقدس کے خُسر حضرت میر ناصر نواب صاحب کی سوانح حیات”حیات ناصر“ کا ایک حوالہ ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ جب میں بیماری کے وقت حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور نے فرمایا ”میر صاحب مجھے وبائی ہیضہ ہو گیا ہے۔“مخالفین بار بار اور جگہ جگہ یہ حوالہ اپنے الزام کی تصدیق کے لئے پیش کرتے رہتے ہیں۔

یہاں میں سب سے اہم سوال اُٹھاتا ہوں کہ کسی بھی بیماری کی تشخیص بیمار نے کرنی ہوتی ہے یا ڈاکٹر نے؟دنیا بھر میں یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ کسی بھی شخص کی بیماری کی حتمی تشخیص کے لئے میڈیکل سرٹیفیکیٹ کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور اسے ہی حتمی تصور کیا جاتا ہے۔ خواہ مریض یا اس کے لواحقین بیماری کی کوئی بھی تشخیص کریں اسے اہمیت نہیں دی جاتی۔حضرت اقدسؑ کی وفات سے دو گھنٹے قبل لاہور کے ایک انتہائی قابل اور سینئر ڈاکٹر پروفیسر ڈاکٹر سُدرلینڈ نے حضورؑ کا معائنہ فرمایا اور اسہال کی تکلیف کو سخت دماغی کام کے سبب پیدا ہونے والی اعصابی کمزوری کا نتیجہ قرار دیا۔ یہاں بہتر ہوگا کہ میں ڈاکٹر سُدرلینڈ کا تعارف کروا دوں ۔ڈاکٹر سُدرلینڈ(DR. Sutherland) ان کا پورا نام David Waters Sutherland تھا۔ یہ آسٹریلین فزیشن تھے 1872ء میں پیدا ہوئے۔ 1893ء میں Edinburgh سےMDکی ڈگری حاصل کی۔ اپنے میڈیکل کیرئیر میں انہوں نےMRCP اورFRCP کی ڈگریاں بھی حاصل کیں۔ بعد ازاں آپ نے انڈین میڈیکل سروس جائن کر لی۔ اپنی سروس کے دوران ڈاکٹر سُدرلینڈ نے بنگال، انڈیا اور افغانستان میں خدمات سر انجام دیں۔ 1897ء میں آپ کو کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور میں میڈیسن اور پیتھالوجی کا پروفیسر تعینات کر دیا گیا۔ 1905ء میں میجر کا رینک ملا۔ (بعد میں لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے تک پہنچے)۔1909ء سے 1921ء تک کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے پرنسپل اور ڈائریکٹر رہے۔ 1926ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد سکاٹ لینڈ واپس تشریف لے گئے۔ 1939ء میں آپ کی وفات ہوئی۔1909ء میں ان کی نہایت اہم کتاب Differential Diagnosis Of Fevers کے نام سے چھپی ۔ یہاں ڈاکٹر سُدرلینڈ کا تعارف کروانے کا مقصد یہ ہے کہ سب کو علم ہو کہ کہ یہ کتنے قابل ڈاکٹر تھے جنہوں نے حضرت اقدسؑ کا معائنہ فرمایا اور بعد ازاں ڈاکٹر سُدرلینڈ کی تصدیق پر سول سرجن لاہور DR Cunningham نےDeath Certificate جاری کیا۔ اس سرٹیفیکیٹ میں ڈاکٹر سُدرلینڈ نے وفات کی وجہ اعصابی کمزوری کے نتیجہ میں ہونے والے اسہال کو قرار دیا تھا اور ہیضے کو مکمل طور پر رد کر دیا تھا۔لاہور ریلوے سٹیشن پر اسٹیشن ماسٹر جماعت کے مخالفین میں سے تھا اور ان کی شرارت سے متاثر ہو کر اس نے حضرت اقدسؑ کے جسد اطہر کو ریل کے ذریعہ بٹالہ بھجنے سے انکار کر دیا تھا۔ مگر جب ڈاکٹر سُدرلینڈ کا تصدیقی سرٹیفکیٹ اسے دیا گیا تو مجبوراً اسے اجازت دینا پڑی۔

اعتراض نمبر2 مرزا صاحبؑ کی وفات بیت الخلاء میں ہوئی؟

جواب: یہ وہ گھٹیا الزام ہے جو کوئی گھٹیا ترین شخص ہی لگا سکتا ہے۔ یہ کلیتّاً جھوٹ اور بغض و تعصب اور شدید دشمنی کا شاخسانہ ہے اور کمینے بے شرم اور بے حیا لوگ ایسے الزامات خدا تعالیٰ کے فرستادوں پر ہمیشہ سے لگاتے چلے آئے ہیں۔الزام لگانے والا کوئی

شخص موقع کا گواہ نہیں اور عینی شاہدین کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات اپنے بستر پر اس حالت میں ہوئی کہ اردگرد آپ کے افراد خانہ اور دوست احباب موجود تھے اور یہ سب عینی شاہدین ہیں اور واقعہ کے بارہ میں انہی کی شہادت قبول کی جائے گی نہ کہ اُن خبیث الفطرت لوگوں کی جو سرے سے موقع پر موجود ہی نہیں تھے۔ اس ضمن میں میں اسلامی قانونِ شہادت اور عدالتی قانون آپ کے سامنے رکھتا ہوں کہ کس کی گواہی قبول کئے جانے اور کس کی گواہی ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل ہے۔

اسلامی قانونِ شہادت

شہادت کے لغوی معنی خبر قاطع کو کہتے ہیں اور فقہ کی رُو سے شہادت کسی واقعہ کے بارہ میں اپنے مشاہدے اور دید کے مطابق خبر دینے کو کہتے ہیں نہ کہ ظن اور تخمینہ کی بنیاد پر۔ شہادت اس قطعی اور فیصلہ کن بیان کا نام ہے جو قانونی عدالت میں حاضر ہو کر کسی ایک معاملے کے متعلق دیا جاتا ہے جو بیان کرنے والے شاہد نے صاف طور پر دیکھا ہو- مجلۃ الاحکام العدلیہ میں لکھا ہے ”گواہ کے لئے ضروری ہے کہ جس چیز کی شہادت دے اسے اس نے خود دیکھا ہو اور اپنی شہادت میں یہی کہے ۔ گواہ کے لئے جائز نہیں کہ محض شنید کی بنیاد پر شہادت دے۔“قرآن شریف میں ہے کہ ”اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جو اللہ پر افتراء باندھے جبکہ سچائی اُس کے پاس آ چکی ہو۔“ پھر فرمایا ”سچی گواہی کو مت چھپاؤ۔اور جو کوئی اسے چھپائے گا تو اس کا دل گناہگار ہو جائے گا۔“ رسول اللہ ﷺ نے بھی گواہی دینے کے بارہ میں خاص طور پر نصیحت فرمائی۔ خلال نے اپنے جامع میں حضرت ابن عباس سے ایک روایت نقل کی ہے وہ یہ ہے ”حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے شہادت کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو آپ نے سوال فرمایا کیا تم سورج کو دیکھ رہے ہو؟ سائل نے جواب دیا جی ہاں۔ تب آپؐ نے ارشاد فرمایا اسی طرح کسی واقعہ کو دیکھ لینا تو شہادت دینا۔

گواہ کا معیار

گواہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ 1۔بالغ ہو، 2۔عاقل ہو، 3۔عادل ہو، 4۔ناطق ہو، 5۔بینا ہو اور 6۔ ضروری ہے کہ شاہد(گواہ) اور مشہود علیہ (جس کے خلاف گواہی دی جائے) کے درمیان کوئی عداوت نہ ہو (اسلام کا قانون شہادت مرتبہ مولانا سید محمد متین ہاشمی- شائع کردہ مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور)

In the court of law “ A credible witness is one who is not speaking from hearsay”

1- the witness had personal knowledge
2- He or she was actually present at the scene
3- The witness paid attention at the scene and
4- He or she told the whole truth

اس حوالے سے دیکھیں تو حضرت اقدسؑ کی وفات کے وقت جو احباب موجود تھے وہ عینی شاہدین بھی تھے اور ایک قابلِ بھروسہ گواہ کی تمام خصوصیات اُن میں موجود تھیں جبکہ بد تہذیب مولوی اور اُن کے بد قماش چیلے چانٹے موقع کا گواہ نہ ہونے اور حضرت اقدسؑ سے شدید عداوت اور نفرت کی وجہ سے قطعی طور پر اس قابل ہی نہیں کہ اُن کی گواہی کی کوئی حیثیت ہو اور ان کی طرف سے کوئی بھی بنایا گیا قصہ جھوٹا اور رد کر دینے کے قابل ہے۔اس تناظر میں ایک بار پھر سیرت المہدی کی روایت پڑھیں سیرت المہدی کی روایت کے مطابق علی الصبح قریبا ساڑھے چار یا پانچ بجے حضرت اقدس کا بستر صحن سے کمرے میں شفٹ کر دیا گیا- حضورؑ کی وفات ساڑھے دس بجے صبح ہوئی- اس حساب سے وفات سے قبل قریبا پانچ سے چھ گھنٹے حضورؑ نے اس کمرے میں اپنے بستر پر گزارے۔ اور یہ بات نوٹ کر لیں کہ احمدیہ بلڈنگ لاہور کے اس کمرہ کے ساتھ کوئی واش روم ہے ہی نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ آخری چند گھنٹوں میں جسم میں پانی کی سخت کمی کی وجہ سے اسہال آنے ویسے ہی بند ہو چکے تھے مگر اعصابی کمزوری اور ضعف کا شدید غلبہ تھا۔ ڈاکٹر سُدرلینڈ نے بھی جب صبح آٹھ یا ساڑھے آٹھ بجے آپؑ کی خیریت دریافت کی تو آپؑ نے اسہال کی شکایت نہیں فرمائی بلکہ زبان اور گلے کی خشکی کا ذکر کیا۔ اس کے بعد آپؑ پر نیم بے ہوشی کی کیفیت طاری رہی اور پھر نزع کا عالم اور پھر اپنے بستر پر وفات ہوئی۔ حضرت اماں جانؓ اور گھر کی دوسری چند خواتین پردہ میں رہ کر چارپائی کے پاس نیچے فرش پر بیٹھی تھیں۔ حضرت مرزا بشیر احمدؓ آپ کے سرہانے کھڑے تھے۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ آپ کے قدموں میں بیٹھے تھے اور دوسرے احباب بھی کمرے میں موجود تھے۔ان تمام حقائق اور قطعی گواہیوں کے باوجود اگر پھر بھی کوئی معاند حضرت اقدسؑ کی جائے وفات کے بارہ میں جھوٹ بولتا ہے پھر یہی کہا جاسکتا ہے کہ لَعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی الۡکَاذِبِیۡنَ۔

اعتراض نمبر3مرزا صاحب کی عمر 80 سال ہوگی پیشگوئی جھوٹی نکلی؟

جواب: حضرت اقدسؑ نے کبھی بھی یہ پیشگوئی نہیں فرمائی تھی کہ آپؑ کی عمر 80سال ہوگی۔ حضور کو جو الہام ہوا وہ یہ تھا ثَمَانِیۡنَ حَولاً اَوۡ قَرِیۡبًا مِّنۡ ذَالِکَ(تذکرہ) کہ تیری عمر 80 برس یا اس کے قریب ہو گی۔حضرت اقدسؑ نے خود اس الہام کی تشریح فرمائی۔ حضورؑ فرماتے ہیں”جو ظاہر الفاظ وحی کے وعدہ کے متعلق ہیں وہ تو چوہتر(74) اور چھیاسی (86) کے اندر عمر کی تعیین کرتے ہیں۔ (ضمیمہ براھین احمدیہ حصہ پنجم) عمر کے متعلق ایک اور الہام ہوا ”اسی یا اس پر پانچ چار زیادہ یا پانچ چار کم“ (حقیقۃ الوحی)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر کے بارہ میں مخالفین نے بہت مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حضور کی پیدائش ہوئی ان دنوں میں باقاعدہ تاریخ پیدائش کا اندراج اور ریکارڈ رکھنے کا کوئی رواج نہیں تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا 40 سالہ دور اقتدار اپنے اختتام کے قریب تھا جب حضرت اقدسؑ کی ولادت ہوئی۔ کئی مقامات پر حضورؑ نے اندازے سے اپنی عمر لکھی ہے جس کو مخالفین بنیاد بنا کر اعتراض کرتے رہتے ہیں۔ حضرت مرزا بشیر احمدؓ کی گہری تحقیق کے نتیجہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تاریخ پیدائش کا تعین ہو چکا ہے اور اب یہی تاریخ پیدائش معین طور پر جماعت میں تسلیم شدہ ہے یعنی 13 فروری 1835ء بمطابق 14 شوال 1250ھ ہے اور وفات 26 مئی 1908ء بمطابق 24 ربیع الثانی 1326ھ ہے۔ اس تاریخ پیدائش کی بنیاد مندرجہ ذیل حوالے ہیں۔ حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں”عاجز بروز جمعہ چاند کی چودھویں تاریخ میں پیدا ہوا ہے“(تحفہ گولڑویہ) ”میری پیدائش کا مہینہ پھاگن تھا۔ چاند کی چودھویں تاریخ تھی۔ جمعہ کا دن تھا اور پچھلی رات کا وقت تھا“ (ذکر حبیب از حضرت مفتی محمد صادقؓ) اس حساب سے حضرت اقدس کی پیدائش یا 17فروری 1832ء بنتی ہے اور یا پھر 13 فروری 1835ء۔حضرت اقدسؑ کی ایک اور تحریر ہے جو 1835ء کی تصدیق کرتی ہے وہ یہ ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں۔ ”یہ عجیب امر ہے اور میں اس کو خدا تعالیٰ کا ایک نشان سمجھتا ہوں کہ ٹھیک بارہ سو نوے ہجری میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عاجز شرف مکالمہ و مخاطبہ پا چکا تھا۔“(حقیقۃ الوحی)

پھر فرمایا۔ ”جب میری عمر چالیس برس تک پہنچی تو خدا تعالیٰ نے اپنے الہام اور کلام سے مجھے مشرف کیا۔“ (تریاق القلوب) ان دونوں حوالوں سے یہ ثابت ہوا کہ 1290ہجری میں آپؑ کی عمر 40 برس تھی۔ اب 1290 میں سے 40 نکالیں تو آپؑ کی پیدائش 1250ہجری بنتی ہے(یعنی 1835ء)اور وفات 1326ہجری۔ اس حساب سے وفات کے وقت حضرت اقدسؑ کی عمر قمری اور اسلامی کیلنڈر کے حساب سے 76 سال تھی جبکہ عیسوی کیلنڈر کے مطابق آپؑ اپنی عمر کے چوہترویں سال میں تھے۔ تو جو اللہ تعالیٰ کا آپ سے آپؑ کی عمر کے بارہ میں وعدہ تھا وہ بعینہ اسی طرح پورا ہوا۔

اعتراض نمبر 4 الہام ”ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں“ غلط نکلا۔

جواب: اس الہام کی تشریح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود فرمائی ہے۔ حضور فرماتے ہیں ”یعنی خائب و خاسر کی طرح تیری موت نہیں ہے اور یہ کلمہ کہ ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں اس کے یہ معنی ہیں کہ قبل از موت مکی فتح نصیب ہو گی جیسا کہ وہاں کے دشمنوں کو قہر کے ساتھ مغلوب کیا گیا تھا اسی طرح یہاں بھی دشمن قہری نشانوں سے مغلوب کئے جائیں گے۔دوسرے یہ معنی ہیں کہ قبل از موت مدنی فتح نصیب ہو گی۔خود بخود لوگوں کے دل ہماری طرف مائل ہو جائیں گے۔“(البشریٰ) خاکسار نے جب اس الہام پر غور کیا تو مجھ پر اس کے ایک اور معنی آشکار ہوئے اور وہ کہ یہ الہام ظاہری رنگ میں بھی پورا ہوا۔اس الہام میں حضرت اقدسؑ کی قادیان سے ہجرت کی طرف اشارہ تھا اور خبر یہ دی گئی تھی کہ یا تو حضور کی وفات قادیان میں قیام کے دوران ہوگی جو مکہ سے مشابہ ہے اور یا پھر آپؑ کی وفات قادیان سے ہجرت کے دوران ہو گی جو مدنی زندگی کی طرف اشارہ تھا۔اس تناظر میں دیکھیں تو جب حضرت اقدسؑ قادیان سے رخصت ہونے لگے اور اپنے حجرے کو بند کیا تو فرمایا۔ اب ہم اس کو نہیں کھولیں گے۔ لاہور کا سفر غیر معینہ مدت کے لئے تھا کیونکہ جب حضرت اماں جانؓ نے قادیان واپس جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ اب تو اُس وقت جائیں گے جب خدا لے جائے گا۔ علاوہ ازیں حضرت اقدسؑ کے اہل خانہ بھی آپ کے ساتھ قادیان سے لاہور آئے اور اکثر جید صحابہؓ بھی قادیان سے لاہور آ گئے۔ حتی کہ اخبار البدر بھی لاہور شفٹ کر دیا گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ حضرت اقدسؑ کی قادیان سے ہجرت تھی۔ الہام داغِ ہجرت بھی پورا ہوا اور پھر حضورؑ کی وفات بھی مدنی زندگی یعنی ہجرت کی حالت میں ہوئی۔

اعتراض نمبر 5حدیث میں آیا ہے کہ نبیؑ جہاں فوت ہوتا ہے وہیں دفن ہوتا ہے۔ مگر مرزا صاحب کی وفات لاہور میں ہوئی اور تدفین قادیان میں۔

جواب: اس حدیث کا راوی عبدالرحمان بن ابی بکر ملیکی ہے جسے اول درجہ کا ضعیف راوی قرار دیا گیا ہےتاریخی طور پر ثابت ہے کہ حضرت یعقوبؑ مصر میں فوت ہوئے مگر ان کا جسد مبارک شام میں لا کر دفن کیا گیا۔ اسی طرح حضرت یوسفؑ کے تابوت کو ان کی وفات کے لمبے عرصہ بعد حضرت موسیٰؑ مصر سے اُٹھا کر شام میں لائے اور انہیں شام میں دفن کیا گیا۔مصر میں حضرت یوسفؑ کی نعش مبارک کو سنگ مرمر کے تابوت میں بند کر کے دریائے نیل کے کسی کنارے امانتاً دفن کیا گیا تھا کیونکہ حضرت یوسفؑ نے کہا تھا کہ ان کے جسد خاکی کو مصر سے لے جا کر شام میں دفن کیا جائے۔

اعتراض نمبر 6نبی کا ورثہ نہیں ہوتا مگر مرزا صاحب نے وراثت چھوڑی۔

جواب: بخاری کی جس حدیث کا حوالہ دیا جاتا ہے اس کے بارہ میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس سے مراد صرف آنحضرت ﷺ کا اپنا وجود تھا۔اس کا اطلاق باقی انبیاءؑ پر نہیں ہوتا۔ قرآن شریف سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت داؤدؑ کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمانؑ ان کی روحانی اور دنیاوی جائیداد کے وارث ہوئے یعنی نبوت بھی ملی اور حکومت بھی۔ سورۃ النمل میں اس کا ذکر ملتا ہے وَوَرِثَ سُلَیۡمَانُ دَاوٗدَ۔(النمل:17) ایک روایت کے مطابق حضرت سلیمانؑ نے ایک ہزار گھوڑا ورثہ میں پایا۔ حضرت زکریاؑ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی یَرِثُنِیۡ وَیَرِثُ مِنۡ آلِ یَعۡقُوۡبَ (مریم:12) اے خدا مجھے وہ بیٹا عطا کر جو میرا اور یعقوبؑ کے گھرانے کا وارث ہو۔ بنی اسرائیل کا تابوت سکینہ نسل در نسل وراثت کے طور پر منتقل ہوتا رہا۔

اعتراض نمبر 7حدیث میں آیا ہے یُدۡفَنُ مَعِیَ فِیۡ قَبۡرِیۡ یعنی وفات کے بعد مسیح میری قبر میں دفن ہوگا۔

جواب: ہمارے مخالفین چونکہ دین کی روح سے ناآشنا ہیں وہ ہر بات ظاہری لیتے ہیں اور جگہ جگہ ٹھوکر کھاتے ہیں۔ اہل یہود نے بھی اسی وجہ سے ٹھوکر کھائی کہ تورات کو چھوڑ کر حدیثوں کی کتاب طالمود کو پکڑ کر بیٹھ گئے اور ہر پیشگوئی کی ظاہری شکل دیکھنے کی خواہش میں مسیحؑ کا انکار کر بیٹھے۔ آنحضرت ﷺ نے

اسی وجہ سے فرمایا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب میری اُمت یہود سے مکمل مشابہت اختیار کر لے گی کہ فرق کرنا مشکل ہو جائے گا۔

حضرت عیسیٰؑ کی سب سے زیادہ مخالفت اہل حدیث نے کی تھی اور حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی بھی سب سے زیادہ مخالفت اہل حدیث نے کی۔ مولوی نذیر حسین دہلوی، محمد حسین بٹالوی، ثنا اللہ امرتسری وغیرہ سب اہل حدیث تھے اور حدیثوں کے ظاہری معنے کرنے کی وجہ سے ایمان سے محروم رہ گئے اور لوگوں کی گمراہی کا موجب بنے۔اب یہ حدیث کہ مسیح ابن مریمؑ میری قبر میں دفن ہوگا دراصل اُس انتہائی قریبی تعلق اور محبت کو ظاہر کرتی ہے جو آنحضرت ﷺ کو مسیح موعودؑ سے اور مسیح موعودؑ کو آپ سے تھی۔ اس حدیث کا مطلب ہے کہ میرا اور مسیح موعودؑ کا اس قدر شدید قلبی تعلق ہے کہ وفات کے بعد بھی ہم اکٹھے ہوں گے یعنی ہماری روحیں اکٹھی ہوں گی ورنہ دو بے جان جسموں کے ایک قبر میں ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اور پھر مسیحؑ کی وفات پر کون بدبخت مسلمان آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کھولے گا! اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

ایک ذاتی واقعہ

غالباً 1989ء کی بات ہے۔میری ڈیوٹی میو ہسپتال لاہور کے ایمرجنسی وارڈ میں تھی۔ شام کی شفٹ ختم ہوئی تھی اور میں دوسرے ڈاکٹرز کے ساتھ ریسٹ روم میں بیٹھا تھا کہ ایک اور ڈاکٹر صاحب آگئے جو سینئر تھے مگر میری ان سے زیادہ واقفیت نہیں تھی۔ باتوں باتوں میں انہیں علم ہوا کہ میں احمدی ہوں۔مگر یہاں کوئی خاص بات نہ ہوئی۔ جب میں ڈیوٹی ختم کر کے واپس اپنے کمرے میں پہنچا جو نیو ہاسٹل میں تھا تو یہی ڈاکٹر صاحب میرے کمرے میں آ گئے اور جماعت پر اعتراضات کرنے شروع کر دیئے اور آخر پر یہی اعتراض کیا کہ مرزا صاحب کی وفات بیت الخلاء میں ہوئی وغیرہ۔میں نے قرآن شریف ہاتھ میں پکڑا اور خدا کی قسم اُٹھا کر کہا کہ یہ الزام کلیتاً جھوٹا ہے اور ہمارے دشمن مولویوں نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے استہزاء کی نیت سے کذب بیانی سے کام لیا ہے اور اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ سچ کہہ رہے ہیں تو یہ قرآن ہاتھ میں لیں اور اسی طرح خدا کی قسم اُٹھائیں جس طرح میں نے اُٹھائی ہے اور اگر آپ نے قسم اُٹھالی تو خدا تعالیٰ آپ کو اس کی عبرتناک سزا دے گا۔ ڈاکٹر صاحب کے مُنہ سے ایک لفظ نہ نکلا۔ چند منٹ تک خاموش مجھے دیکھتے رہے اور پھر اُٹھ کر کمرے سے نکل گئے۔فیس بک اور سوشل میڈیا پر ایسے کئی بدزبان ہیں جو انفرادی طور پر اور مختلف گروپوں میں حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے خلاف دشنام طرازی اور بد زبانی میں مصروف ہیں۔ میں اُنہیں تنبیہ کرتا ہوں کہ وہ اپنی ان گندی اور سفلی حرکتوں سے باز آجائیں ورنہ حضرت اقدس کا الہام۔ اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ۔ان کی نسلیں اُجاڑ دے گا۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

یہ کیا عادت ہے کیوں سچی گواہی کو چھپاتا ہے
تری اک روز اے گستاخ شامت آنے والی ہے
بہت بڑھ بڑھ کے باتیں کی ہیں تُو نے اور چھپایا حق
مگر یہ یاد رکھ اک دن ندامت آنے والی ہے
ترے مکروں سے اے جاہل مرا نقصاں نہیں ہرگز
کہ یہ جاں آگ میں پڑ کر سلامت آنے والی ہے
(درثمین)

دعوت فکر

یارو خودی سے باز بھی آؤ گے یا نہیں؟
خُو اپنی پاک صاف بناؤ گے یا نہیں؟

باطل سے میل دل کی ہٹاؤ گے یا نہیں؟
حق کی طرف رجوع بھی لاؤ گے یا نہیں؟

کب تک رہو گے ضد و تعصب میں ڈوبتے؟
آخر قدم بصدق اٹھاؤ گے یا نہیں؟

کیونکر کرو گے ردّ جو محقق ہے ایک بات؟
کچھ ہوش کرکے عذر سناؤ گے یا نہیں؟

سچ سچ کہو اگر نہ بنا تم سے کچھ جواب
پھر بھی یہ منہ جہاں کو دکھاؤ گے یا نہیں؟

(کلام حضرت مسیح موعودؑ)

(براہین احمدیہ حصہ دوم صفحہ 139 مطبوعہ 1880ء)

آج کی دعا

رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ
(الانبیاء:90)

ترجمہ:"اے میرے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے"

یہ قرآن مجید کی حضرت زکریا علیہ السلام کی لاوارث نہ رہنے کی دعا ہے۔ خدا تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا اور ان کو حضرت یحییٰ علیہ السلام عطا کئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"وہ زمانہ تھا جبکہ میرے ساتھ دنیا میں ایک بھی نہیں تھا جبکہ خدا نے مجھے یہ دعا سکھلائی کہ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ یعنی اے خدا مجھے اکیلا مت چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے۔ یہ دعا الہامی براہین میں درج ہے غرض اس وقت کے لئے تو براہین احمدیہ خود گواہی دے رہی ہے کہ میں اس وقت ایک گمنام آدمی تھا مگر آج باوجود مخالفانہ کوششوں کے ایک لاکھ سے بھی زیادہ میری جماعت مختلف مقامات میں موجود ہے۔ پس کیا یہ معجزہ ہے یا نہیں!"

(تحفۃ الندوہ، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 97)

قدیسہ محمود سردار

غلام مصباح بلوچ۔کینیڈا

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے سفر لاہور 1892ء کے متعلق پیسہ اخبار لاہور کا ایک نوٹ

جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی لاہور میں

مرزا صاحب دو ہفتے سے لاہور میں تشریف رکھتے تھے اور لاہور کی خاص و عام طبائع کو اپنی طرف متوجہ کر رہے تھے کہ کسی وجہ سے سیالکوٹ کو چلے گئے ہیں۔ ہر شخص، گھر میں، دکان پر، بازار میں، دفتر میں مرزا صاحب اور اُن کے دعوے مماثلت مسیح کا ذکر کرتا ہے۔ آج تک اخبارات نے کالم کے کالم اور ورقوں کے ورقے مرزا صاحب کے حالات اور عقائد کی تردید یا تائید میں لکھ ڈالے ہیں مگر ہم نے عمداً اِس بحث کو نہیں چھیڑا جس کی بڑی وجہ یہ ہے پیسہ اخبار کوئی مذہبی اخبار نہیں مگر اب چونکہ معاملہ عام انٹرسٹ کا ہوگیا ہے اور کئی صاحبوں نے پیسہ اخبار کی رائے مرزا صاحب کے عقائد اور عام حالات کی نسبت دریافت کی ہے۔ اس لیے ہم مختصر طور پر ایک دو باتیں ظاہر کرتے ہیں۔ مرزا صاحب کے حق میں جو کفر کا فتویٰ دیا گیا ہے ہم کو اِس سے سخت افسوس ہوا ہے، کوئی مسلمان زنا کرے، چوری کرے، الحاد کا قائل ہو، شراب پیے اور کوئی کبیرہ گناہ کرے کبھی علمائے اسلام اُس کی تکفیر پر آمادہ نہیں سنے گئے مگر ایک با خدا مولوی کو جو قال اللہ اور قال الرسول کی تابعداری کرتا ہے بعض جُزوی اختلافات کی وجہ سے کافر گردانا جاتا ہے

گر مسلمانی ہمیں است کہ واعظ دارد
وائے گر از پس امروز بود فردائے

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہر شخص مرزا صاحب کی ہر ایک بات کو تسلیم کرے لیکن یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے مولوی صاحبان اپنی اِس لیاقت اور ہمت کو غیر مسلموں کے مقابلے میں صَرف کریں جو آپ مرزا صاحب کے مقابلے میں صرف ہو رہی ہے ۔

ہر کس از دستِ غیر نالہ کند
سعدی از دستِ خویشتن فریاد

اہل اسلام مطمئن رہیں کہ مرزا صاحب اسلام کو کبھی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور یہ بات ہمارے عقیدے کے مطابق اُن کے اختیار سے بھی باہر ہے۔ اگر اہل ہنود خصوصاً آریہ لوگ اور عیسائی لوگ مرزا صاحب کی مخالفت میں زور و شور سے کھڑے ہو جاتے تو ایسا بجا بھی تھا، مرزا صاحب کی تمام کوششیں آریا اور عیسائیوں کی مخالفت میں اور مسلمانوں کی تائید میں صَرف ہوئی ہیں جیسا کہ اُن کی مشہور تصنیفات براہین احمدیہ، سرمہ چشم آریا اور بعد کے رسائل سے واضح ہیں۔ ہم اِس کے سوائے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ وما علینا الّا البلاغ۔ اس قدر لکھ دینا بھی نا مناسب نہ ہوگا کہ ہم ہرگز مرزا صاحب کے معتقدوں میں سے نہیں۔"

(پیسہ اخبار لاہور 22 فروری 1892ء صفحہ 6)

دوست محمد شاہد مؤرخ احمدیت

تبرکات

حضرت مسیح موعودؑ ۔ فتح نصیب جرنیل

جناب ابوالکلام آزاد کے حقیقت افروز مقالے

’’امام الہند‘‘ابو الکلام آزاد (ولادت 17اگست1887ء۔ وفات 21فروری1958ء) برصغیر کے نہایت ممتاز لیڈر اور بے مثال انشاء پرداز اور نا مور محقق تھے۔ آپ کے قلم سے ا خبار ’’وکیل امرتسر‘‘ میں سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے وصال (26 مئی 1908ء) پر حسب ذیل دو حقیقت افروز مقالے شائع ہوئے۔

پہلا مقالہ

’’وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو۔ وہ شخص جو دماغی عجائبا ت کا مجسمہ تھا۔ جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی۔ جس کی انگلیو ں سے انقلاب کے تار اُلجھے ہوئے تھے اور جس کی دو مٹھیا ں بجلی کی دو بیٹریا ں تھیں۔ وہ شخص جو مذہبی دُنیا کے لئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان رہا۔ جو شور قیامت ہو کر خفتگان خواب ہستی کو بیدار کرتا رہا، خالی ہاتھ دُنیا سے اُٹھ گیا۔ یہ تلخ موت، یہ زہر کا پیالہ موت جس نے مرنے والے کی ہستی تہہ خاک پنہاں کردی ۔ ہزاروں لاکھوں زبانوں پر تلخ کا میاں بن کے رہے گی اور قضا کے حملہ نے ایک جیتی جان کے ساتھ جن آرزوؤں اور تمناؤں کا قتل عام کیا ہے۔ صدائے ماتم مدّتو ں اس کی یاد تازہ رکھے گی۔

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جائے اور مٹانے کے لئے اسے امتدادِزمانہ کے حوالے کر کے صبر کر لیا جائے۔ ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دُنیا میں انقلاب پیدا ہو، ہمیشہ دُنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازشِ فرزندانِ تاریخ بہت کم منظرِ عالم پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں تو دُنیا میں انقلاب پیدا کر کے دکھا جاتے ہیں۔

مرزا صاحب کی اس رحلت نے ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو ان تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرادیا کہ ان کا ایک بڑا شخص اُن سے جُدا ہو گیا،اور اس کے ساتھ مخالفینِ اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اس کی ذات سے وابستہ تھی خاتمہ ہو گیا۔ ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے رہے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھُلا اعتراف کیا جائے تا کہ وہ مہتم بالشان تحریک جس نے ہمارے دشمنو ں کو عرصہ تک پست اور پائمال بنائے رکھا آئندہ بھی جاری رہے۔ اور اگر شور بختی مزاحم صلح و احسان نہ ہو تو یکجہتی کے ساتھ مشترکہ فرض کی واجبی شرکت کے ساتھ اور جامعہ اسلامیہ کے مبارک اُصولوں کے ساتھ۔

مرزا صاحب اس پہلی صف عشاق میں نمودار ہوئے تھے جس نے اسلام کے لئے یہ ایثار گوارا کیا کہ ساعتِ مہد سے لے کر بہار و خزاں کے سارے نظارے ایک مقصد پر ہاں ایک شاہد رعنا کے پیمانِ وفا پر قربان کر دیئے سید احمد۔ غلام احمد۔ رحمت اللہ۔ آل حسن۔ وزیرخاں ۔ ابوالمنصور۔ یہ اَلسَّابِقُوْنَ الْاَ وَّلُوْن کے زمرہ کے لوگ تھے۔ جنہوں نے بابِ مدافعت کا افتتاح کیا اور آخر وقت تک مصروفِ سعی رہے۔ ا ختلافِ طبائع اور اختلافِ مدارجِ قابلیت کے ساتھ ان کے اندازِ خدمت بھی جُداگانہ تھے۔ اس لئے اثر اور کامیابی کے لحاظ سے ان کے درجے بھی الگ الگ ہیں۔ تاہم اس نتیجہ کا اعتراف بالکل ناگزیر ہے کہ مخالفین اسلام کی صفیں سب سے پہلے انہی حضرات نے برہم کیں۔

مرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریو ں کے مقابلہ پر ان سے ظہور میں آیا قبولِ عام کی سند حاصل کر چکاہے اور اس خصوصیت میں وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔اس لٹریچر کی قدرو عظمت آج جبکہ وہ اپنا کام پورا کر چکا ہے ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے۔اس لئے کہ وہ وقت ہرگز لوحِ قلب سے نسیاً منسیاً نہیں ہو سکتا جبکہ اسلام مخالفین کی یورشو ں میں گھرِ چکا تھا اور مسلمان جو حافظِ حقیقی کی طرف سے عالم اسباب و وسائط میں حفاظت کا واسطہ ہو کر اس کی حفاظت پر ما مور تھے اپنے قصّوں کی پاداش میں پڑے سِسک رہے تھے اور اسلام کے لئے کچھ نہ کرتے تھے یا نہ کر سکتے تھے۔ ایک طرف حملو ں کے اِمتداد کی یہ حالت تھی کہ ساری مسیحی دُنیا اسلام کی شمعِ عرفانِ حقیقی کو سرِ راہ منزل مزاحمت سمجھ کر مٹا دینا چاہتی تھی اور عقل و دولت کی زبردست طاقتیں اس حملہ کی پشت گری کے لئے ٹوٹی پڑتی تھیں اور دوسری طرف ضعفِ مدافعت کا یہ عالم تھا کہ توپوں کے مقابلہ پر تیر بھی نہ تھے اور حملہ اور مدافعت دونوں کا قطعی وجود ہی نہ تھا ۔ چونکہ خلاف اصلیت محض شامتِ اعمال سے مفسدہ 1857ء کا نفسِ ناطقہ مسلمان ہی قرار دیئے گئے تھے۔ اس لئے مسیحی آبادیو ں اور خاص کر انگلستان میں مسلمانوں کے خلاف پولیٹیکل جوش کا ایک طوفان برپا تھااور اس سے پادریوں نے صلیبی لڑائیوں کے داعیانِ راہ سے کم فائدہ نہ اٹھایا۔ قریب تھاکہ خوفناک مذہبی جذبے ان حضرات کے میراثی عارضۂ قلب کا جو اسلام کی خُود رَو سرسبزی کے سبب بارہ تیرہ صدیوں سے ان میں نسلاً بعدنسلٍ منتقل ہوتا چلا آتا تھا درمان ہو جائے کہ مسلمانوں کی طرف سے وہ مدافعت شروع ہوئی جس کا ایک حصہ مرزا صاحب کو حاصل ہوا۔ اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے اس ابتدائی اثر کے پرخچے اُڑائے جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا اور ہزاروں لاکھوں مسلمان اس کے اس زیادہ خطرناک اور مستحقِ کامیابی حملہ کی زد سے بچ گئے بلکہ خود عیسائیت کا طِلسم دُھواں ہو کر اُڑنے لگا۔

کچھ شُبہ نہیں ان حضرات نے ثابت کر دکھایا ہے کہ اسلام اپنے حریفوں کا خواہ اُن کے ساتھ زندہ قومو ں کا پولیٹیکل جذبہ بھی شریک ہو، ہمیشہ فتحِ نصیب مدِّمقابل رہا ہے اور انشاء اللہ دُنیا کے آخری سانس تک رہے گا۔ انہوں نے مدافعت کا پہلو بدل کے مغلوب کو غالب بنا کر دکھا دیا ہے۔ اگر ہم آج اپنے نئے اور پُرانےاختلافات سے قطع نظر کر کے محض اسلام کی خدمت غایت المقصود قرار دے لیں تو یقیناً اس جوشیلے اور اسلام کی خداداد طاقت سے چشم پوشی کرنے والے لاٹ پادری (بشپ) کی زندگی میں ہی جس نے ایک مسیحی مشن کی پچاس سالہ جوبلی کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے دوسری جوبلی کے لئے دہلی کی مسجدِ عظمٰی کے کیتھڈرل بنائے جانے کا اِدعاء ناروا ظاہر کیا تھا۔ وہ وقت آجائے کہ اسلام کی روحانی فتوحات سینٹ پال کے گرجے کو مریم و مسیح کی پرستش کی بجائے ایک خدا کی عبادت گاہ بنا لیں اور ناقوسِ کلیساء کے بدلہ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ کا زمزمۂ قدسی فضا میں گونجنے لگے۔

ہر چند پادریوں نے اسلام کی مخالفت میں لٹریچر کا ہمالہ بنا کے کھڑا کر دیا ہے مگر کاغذ کے تودوں کے لئے چند شرارے ہی کافی ہیں۔برعکس اس کے مسلمانوں کا لٹریچر اگر سرکشی اور تمرّد کے حق میں توپ اور گولہ ہے تو طلب حق کے اضطراب سے تڑپنے والوں کے لئے صندل و کافور ہے۔ کاش اس کی تاثیر کی آزمائش کی جائے اور اسے عیسائی آبادی کی زبانوں میں منتقل کر کے کثرت سے شائع کیا جائے کیونکہ ترقیٔ علم و حکمت کے ساتھ مذہب وہاں وبال دوش ہوا جاتا ہے اور دُنیا طلبی کے انہماک نے وہاں روح کی تشنگی غیر محسوس بنا رکھی ہے۔ اس لئے کہ عیسائیت اس فطرتی جذبہ کو جو دنیوی حشمت کے بوجھ میں دَب گیا ہے اُبھارنے سے بالکل قاصر ہے۔ یہ فخر اسلام کا ہی حصہ ہے کہ اس حالت میں بھی وہاں جب کبھی اس کی تجلی عکس فگن ہوتی ہے وِجدان بے تاب ہونے لگتے ہیں۔

غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گرانبارِ احسان رکھے گی کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والو ں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرضِ مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رَگو ں میں زندہ خون رہے اور حمایتِ اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے، قائم رہے گا۔

اس کے علاوہ آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحب نے اسلام کی بہت خاص خدمت انجام دی ہے۔ مرزا صاحب اور مولوی محمد قاسم نے اس وقت سے کہ سوامی دیانند نے اسلام کے متعلق اپنے دماغی فلسفہ کی نوحہ خوانی جابجا کی تھی، ان کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ ان حضرات نے عمر بھر سوامی جی کا قافیہ تنگ کر رکھا۔ جب وہ اجمیر میں آگ کے حوالے کر دیئےگئے اس وقت سے اخیر عمر تک برابر مرزا صاحب آریہ سماج کے چہرہ سے انیسویں صدی کے ہندو ریفارمر کا چڑھایا ہوامُلمّع اُتارنے میں مصروف رہے ان کی آریہ سماج کے مقابلہ کی تحریرو ں سے اس دعوے پر نہایت صاف روشنی پڑتی ہے کہ آئندہ ہماری مدافعت کا سلسلہ خواہ کسی درجہ تک وسیع ہوجائے ناممکن ہے کہ یہ تحریریں نظر انداز کی جا سکیں۔

فطرتی ذہانت، مشق مہارت اور مسلسل بحث و مباحثہ کی عادت نے مرزا صاحب میں ایک شانِ خاص پیدا کر دی تھی۔ اپنے مذہب کے علاوہ مذاہبِ غیر پر اُن کی نظر نہایت وسیع تھی اور وہ اپنی ان معلومات کا نہایت سلیقہ سے استعمال کر سکتے تھے۔ تبلیغ و تلقین کا یہ ملکہ اُن میں پیدا ہو گیا تھا کہ مخاطب کسی قابلیت یا کسی مشرب وملت کا ہو ان کے برجستہ جواب سے ایک دفعہ ضرور گہرے فکر میں پڑ جاتا تھا۔ ہندوستان آج مذاہب کا عجائبات خانہ ہے اور جس کثرت سے چھوٹے بڑے مذاہب یہاں موجود ہیں اور باہمی کشمکش سے اپنی موجودگی کا اعلان کرتے رہتے ہیں اس کی نظیر غالباً دُنیا میں کسی جگہ سے نہیں مل سکتی۔ مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ میں ان سب کے لئے حکم وعَدل ہوں لیکن اس میں کلام نہیں کہ ان مختلف مذاہب کے مقابل پر اسلام کو نمایاں کر دینے کی ان میں مخصوص قابلیت تھی اور یہ نتیجہ تھی ان کی فطری استعداد کا۔ ذوقِ مطالعہ اور کثرتِ مشق کا آئندہ اُمید نہیں کہ ہندوستان کی مذہبی دُنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو

جو اپنی اعلیٰ خواہشیں محض اس طرح مذاہب کے مطالعہ میں صرف کردے۔ فقط۔“

دوسرا مقالہ

”اگرچہ مرزا صاحب نے عُلوم مروّجہ اور دینیات کی باقاعدہ تعلیم نہیں پائی مگر ان کی زندگی اور زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک خاص فطرت لے کر پیدا ہوئے تھے جو ہرکس و ناکس کو نصیب نہیں ہوسکتی۔ اُنھوں نے اپنے مطالعہ اور فطرتِ سلیمہ کی مدد سے مذہبی لٹریچر پر کافی عبور حاصل کیا اور 1877ء کے قریب جبکہ اُن کی 35-36 سال کی عمر تھی ہم اُن کو غیر معمولی مذہبی جوش میں سرشار پاتے ہیں۔ وہ ایک سچے اور پاکباز مسلمان کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کا دل دُنیوی کششوں سے غیر متاثر ہے۔ وہ خلوت میں انجمن اور انجمن میں خلوت کا لُطف اُٹھانے کی کوشش میں مصروف ہے۔ ہم اُسے بے چین پاتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کھوئی ہوئی چیز کی تلاش میں ہے جس کا پتہ فانی دُنیا میں نہیں ملتا۔ اسلام اپنے گہرے رنگ کے ساتھ اس پر چھایا ہوا ہے۔ کبھی وہ آریوں سے مباحثے کرتا ہے کبھی حمایت اور حقیقتِ اسلام میں وہ بسیط کتابیں لکھتا ہے۔ 1886ء میں بمقام ہوشیارپور جو مباحثات انہوں نے کئے ان کا لُطف اب تک دلوں سے محو نہیں ہوا۔ “

غیر مذاہب کی تردید میں اور اسلام کی حمایت میں جو نادر کتابیں انہوں نے تصنیف کی تھیں ان کے مطالعہ سے جو وَجد پیدا ہوا وہ اب تک نہیں اُترا ہے۔ اُن کی کتاب ”براہینِ احمدیہ“ نے غیر مسلمانوں کو مرعُوب کر دیا اور اسلامیوں کے دل بڑھا دیئے اور مذہب کی پیاری تصویر کو ان آلائشوں اور گردو غُبار سے صاف کر کے دُنیا کے سامنے پیش کیا جو مجاہیل کی توہّم پرستیوں اور فطری کمزوریوں نے چڑھا دیئے تھے۔ غرضیکہ اس تصنیف نے کم از کم ہندوستان کی حد میں دُنیا میں ایک گونج پیدا کر دی جس کی صدائے باز گشت ہمارے کانوں میں اب تک آ رہی ہے۔ گو بُزرگانِ اسلام اب براہین کے بُرا ہونے کا فیصلہ دے دیں۔ محض اس وجہ سے کہ اس میں مرزا صاحب نے اپنی نسبت بہت سی پیشگوئیاں کی تھیں اور بطور حفظ ماتقدم اپنے دعاوی کے متعلق بہت کچھ مصالحہ فراہم کر لیا تھا۔ لیکن اس کے بہتر فیصلہ کا وقت 1880ء تھا جبکہ وہ کتاب شائع ہوئی۔ مگر اس وقت مسلمان بالاتفاق مرزا صاحب کے حق میں فیصلہ دے چکے تھے۔ کیریکٹر کے لحاظ سے مرزا صاحب کے دامن پر سیاہی کا چھوٹا سا دھبّہ بھی نظر نہیں آتا۔ وہ ایک پاکباز جینا جیا اور اس نے ایک متقی کی زندگی بسر کی۔ غرضیکہ مرزا صاحب کے ابتدائی زندگی کے پچاس سالوں نے بلحاظ اخلاق و عادات اور پسندیدہ اطوار اور کیا بلحاظ خدمات و حمایت دین مسلمانانِ ہند میں اُن کو ممتاز برگزیدہ اور قابلِ رشک مرتبہ پر پہنچا دیا۔“

یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ مؤلف ”مجدّدِ اعظم“ جناب ڈاکٹر بشارت احمد نے ان معرکہ آراء تحریروں کو جن کا لب و لہجہ اور منفرد انداز و اسلوب جناب ابو الکلام آزاد کی سحرطرازی کی غماز ہے۔ غلطی سے عبداللہ العمادی ایڈیٹر ”البیان“ کی طرف منسوب کردیا ہے جو کہ صریحاً غلط ہے۔ عمادی صاحب اس وقت امرتسر میں نہیں تھے۔ ” الوکیل“ امرتسر کی ادارت کے فرائض ان دنوں جناب ”امام الہند“ ابوالکلام آزاد انجام دے رہے تھے اور یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ آپ نے اگست 1908ء میں اپنے والد کی شدید علالت کے باعث ”الوکیل“ سے استعفیٰ دیا تھا۔ بالفاظ دیگر مئی، جون، جولائی کے شمارے آپ ہی کے زیرِ ادارت منظرِ عام پر آئے۔

(عکسی ”الہلال“ کا دیباچہ جلد اول زیر عنوان حیاتِ ابوالکلام ناشر الہلال اکیڈیمی 32 - اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور)

احمد شرجیل

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حُلیہ اور اخلاق و عادات

حُلیہ مبارک

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام ایک اعلیٰ درجہ کے مردانہ حُسن کے مالک تھے اور فی الجملہ آپ علیہ السلام کی شکل مبارک ایسی وجیہہ اور دلکش تھی کہ دیکھنے والا اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ آپ علیہ السلام کا چہرہ کتابی تھا اور رنگ سفیدی مائل گندمی تھا اور خدوخال نہایت متناسب تھے۔ سر کے بال نہایت ملائم اور سیدھے تھے مگر بالوں کے آخری حصہ میں کسی قدر خوبصورت خم پڑتا تھا۔ ڈاڑھی گھنی تھی مگر رخسار بالوں سے پاک تھے۔ قد درمیانہ تھا اور جسم خوب سڈول اور متناسب تھا اور ہاتھ پاؤں بھرے بھرے اور ہڈی فراخ اور مضبوط تھی۔

ذاتی خصائل

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام بہت تیز چلتے مگر وہ تیزی ناگوار معلوم نہیں ہوتی تھی۔ زبان بہت صاف تھی مگر کسی لفظ میں کبھی کبھی خفیف سی لکنت پائی جاتی تھی جو صرف ایک چوکس آدمی ہی محسوس کر سکتا تھا۔ اخیر عمر تک کمر میں خم نہیں آیا اور نہ ہی رفتار میں فرق پڑا۔ دور کی نظر ابتداء سے کمزور تھی البتہ پڑھنے کی نظر آخر تک اچھی رہی اور یوم وصال تک تصنیف کے کام میں مصروف رہے۔ ابتداء میں جسم ہلکا تھا مگر اخیر عمر میں درمیانہ درجہ کا جسم ہو گیا تھا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے یا یونہی بلا ضرورت ادھر ادھر نظر اٹھانے کی عادت بالکل نہیں تھی بلکہ اکثر اوقات آنکھیں نیم بند اور نیچے کی طرف جھکی رہتی تھیں۔ گفتگو کا انداز یہ تھا کہ ابتداء میں آہستہ آہستہ کلام فرماتے مگر حسب تقاضہ وقت آواز بلند ہوتی جاتی تھی۔ چہرے کی جلد نرم تھی اور جذبات کا اثر فوراً ظاہر ہونے لگتا تھا۔ لباس ہمیشہ پرانی ہندوستانی وضع کا پہنتے تھے یعنی عموماً بند گلے کا کوٹ یا جُبّہ، دیسی کاٹ کرتہ یا قمیض اور معروف شرعی ساخت کا پاجامہ جو آخری عمر میں عموماً گرم ہوتا تھا۔ سر پر اکثر سفید ململ کی پگڑی باندھتے تھے جس کے نیچے عموماً نرم قسم کی ٹوپی ہوتی تھی۔ کھانے میں نہایت درجہ سادہ مزاج تھے اور کسی چیز سے شغف نہیں تھا بلکہ جو چیز میسّر آجاتی بے تکلّف تناول فرمالیتے اور عموماً سادہ غذا پسند فرماتے اور نہایت کم کھاتے مگر جسم اس طرح تھا کہ ہر قسم کی مشقت برداشت کر سکے۔

آپؑ کا صبر و استقلال و شجاعت

کسی بھی روحانی مصلح کا رستہ پھولوں سے نہیں گزرتا بلکہ انہیں سخت دشوار رستوں اور بے آب و گیاہ صحراؤں اور گہرے سمندروں سے گزرتا ہے بلکہ جتنا کسی مصلح کا رستہ مشکل اور وسیع ہوتا ہے اتنا ہی اس کا مشن وسیع اور زیادہ اہم ہوتا ہے۔ اسی طرح آپؑ کی ساری زندگی صبرو استقلال اور شجاعت کا شاندار منظر پیش کرتا ہے۔ لہٰذا جب آپؑ نے دعویٰ کیا تو ہندوستان کی تمام قومیں یک جان ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئیں اور یوں نظر آتا تھا کہ ایک چھوٹی سے کشتی جسے ایک کمزور انسان اکیلا بیٹھا ہوا ایک ٹُوٹے چپّو کے ساتھ چلا رہا ہے۔ چاروں طرف سے گہرے سمندر کی لہریں اسے گھیرے ہوئے ہیں اور طوفان کا زور اسے یوں اٹھاتا اور گراتا ہے جیسے کسی تیزطوفان کے سامنے ایک کاغذ اڑتا پھر رہا ہے مگر یہ شخص قطعاً ہراساں نہیں ہوتا بلکہ برابر کشتی چلاتا جا رہا ہے اور اس طوفان کو ذرہ بھر بھی حیثیت نہیں دیتا۔ یہی وہ منظر تھا جس نے دشمنوں کے دل کو بھی موہ لیا حتّٰی کہ معاندین بھی آفرین بول اٹھے۔

محنت اور انہماک

آپؑ ہر وقت کسی نہ کسی مفید کام میں لگے رہتے اور کوئی وقت بیکار نہ گزارتے۔ آپؑ نے ساری زندگی ایک ایک لمحہ ایسے سپاہی کی طرح گزارا ہے جسے کسی عظیم الشان قومی خطرے کے وقت کسی نہایت نازک مقام پر نگران مقرر کر دیا جائے اور ساری قوم کا انحصار اسی ایک سپاہی پر ہو۔ اکثر اوقات آپؑ کام کے انہاک میں کھانا اور سونا تک بھول جاتے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ آپؑ نے تصنیف کے سلسلے میں ساری ساری رات خرچ کر دی اور ایک منٹ تک آرام نہیں کیا۔ آپؑ کے متعلق تو خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ ” أَنْتَ الشَّیْخُ الْمَسِیْحُ الَّذِیْ لَا یُضَاعُ وَقْتُہٗ “ یعنی تُو وہ برگزیدہ مسیح ہے جس کا کوئی وقت بھی ضائع جانے والا نہیں۔

عبادت الٰہی

آپؑ کی عبادت الٰہی کا عالم یہ تھا کہ جوانی کی زندگی جو نفسانی لذات کے زور کا زمانہ ہوتی ہے وہ آپؑ نے ایسے رنگ میں گزار دی کہ دیکھنے والوں میں آپؑ کا نام ”مسیتڑ“ مشہور ہو گیا کیونکہ آپؑ سارا سارا دن مسجد میں یاد الٰہی اور عبادت الٰہی میں گزار دیتے۔ تہجد میں ایسے پابند تھے کہ ساری زندگی اوّل وقت میں بیدار ہو کر تہجد ادا کرتے حتّٰی کہ بیماری کے وقت بھی جبکہ اٹھنا محال ہوتا بستر پر ہی تہجد ادا کرتے۔ قرآن کریم سے ایسا شغف تھا کہ دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ سارا سارا دن مطالعہ قرآن میں گزاردیتے اور قرآن ہی آپؑ کی زندگی کا سہارا تھا حتّٰی کہ خود ہی فرماتے ہیں۔

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ میرا یہی ہے

راست گفتاری

آپؑ کی راست گفتاری نہایت نمایاں اور مسلم تھی۔ عام حالات میں ہر شخص ہی سچ بولتا ہے مگر بوقت امتحان سچ بولنا ہی تقوٰی کی علامت اور قابل داد ہے اور ایسے وقت میں قابل رشک ہے کہ جب سچ بولنے سے اپنی ذات اور رشتہ داروں اور تعلق داروں اور اپنی قوم کو نقصان پہنچتا ہو۔ آپؑ نے ہر موقع پر خواہ کچھ ہو جائے سچ کا دامن نہیں چھوڑا۔ مثلاً ایک فوجداری مقدمہ میں جو محکمہ ڈاک کی طرف سے آپؑ کے خلاف دائر کیا تھا اور حالات ایسے تھے کہ اگر آپؑ صرف اپنی زبان سے ہی اس کا انکار کردیتے تو بری ہو جاتے مگر آپؑ نے بڑی دلیری کے ساتھ اس فعل کا اعتراف کیا اور ساتھ ہی اس جرم کے عدم علم کا بھی اظہار کر دیا۔ اس پر مجسٹریٹ نے آپؑ کو بری کر دیا۔ تو یہ تھی آپؑ کی راست گفتاری کہ باوجود وکلاء کے زور دینے کے آپؑ نے سچ کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

تکلّفات سے پاک زندگی آپؑ بالکل سادہ مزاج اور زندگی کے ہر شعبے میں آپؑ کا طریق سادہ اور ہر قسم کے تکلّفات سے بالا تھا۔ خوراک اور لباس کا تذکرہ آپؑ کے ذاتی خصائل میں گزر چکا ہے۔ اگر مجلس کا ذکر کیا جائے تو آپؑ دیگر سجادہ نشینوں سے بالکل مختلف تھے اور کبھی مجلس میں علیحدہ اور نمایاں مسند اختیار نہ کرتے بلکہ سب صحابہؓ کے ساتھ مل کر بیٹھ جاتے اور بسا اوقات ایسا ہوتا کہ آپؑ پائنتی کی طرف بیٹھ جاتے اور دیگر چارپائی کے دوسرے حصّے پر۔ سفر کے لئے نکلتے تو ایک خادم اور ایک گھوڑا ساتھ ہوتا تو بجائے خود سواری پر بیٹھنے کے خادم کو ہی سوار کر دیتے اور خود پیدل چلتے۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ سفر خرچ میں سے کھانے کے لئے خود سے زیادہ خرچ اپنے خادم کو نکال کر دیتے اور خود صرف ایک آنے پر گزارہ کرلیتے۔

گھر کے کام کاج خود ہی کرتے اور کسی قسم کا عار محسوس نہ کرتے اور مہمانوں کے لئے خود ہی برتن لگا دیا کرتے اور صفائی بھی خود ہی کر لیا کرتے تھے۔ غرض آپؑ کی مبارک زندگی ہر جہت سے بالکل سادہ اور تکلّفات کی آلائش سے بالکل پاک تھے۔

الغرض حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا وجود ایک مجسم رحمت تھا۔ وہ رحمت تھا اسلام کے لئے، وہ رحمت تھا اہل و عیال کے لئے، وہ رحمت تھا اپنے دوستوں کے لئے ، وہ رحمت تھا اپنے دشمنوں کے لئے بھی۔

فہیم احمد ناگی۔لندن

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات اقدس پر ہونے والے اعتراضات آپؑ کی صداقت کا ثبوت ہیں

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

مَا یُقَالُ لَکَ اِلَّا مَا قَدۡ قِیۡلَ لِلرُّسُلِ مِنۡ قَبۡلِکَ (حٰمٓ سجدہ:44)

ترجمہ: تجھے کچھ نہیں کہاجاتا مگر وہی جو تجھ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرما رہا ہے کہ تجھ سے قبل بھی انبیاء صادقہ اور رسولوں پر اُن کے مکذبین اور مخالفین کی جانب سے الزامات اور اعتراضات کئے گئے ہیں۔جس طرح یہ الزامات اوراعتراضات پہلے غلط تھے،اسی طرح آج بھی غلط ہیں۔غرضیکہ قرآن کریم نے اُن تمام اعتراضات کو باطل قراردیا ہے جو گزشتہ انبیاء پر اُن کے مخالفین کی جانب سے لگائے گئے۔مقام حیرت ہے کہ قرآن کریم پڑھنے والوں نے مذکورہ بالاآیت کی موجودگی میں خاتم الانبیاء حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند سیدنا حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے خلاف بھی انہی اعتراضات کودہرایا ہے جو گزشتہ انبیاء پر اُن کے مخالفین اورمکذبین کی طرف سے لگائے جاتے رہے ہیں۔حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ السلام فرماتے ہیں۔

”کوئی شخص واقعی طور پر میرے پر کوئی الزام نہیں لگا سکتا اورنہ میرے نشانوں پرکوئی جرح کرسکتاہے۔کیونکہ وہ مجھ پر کوئی ایسی نقطہ چینی نہیں کرسکتا اورنہ میرے بعض آسمانی نشانوں پرکوئی ایسی حرف گیری کرسکتا ہے جووہی حرف گیری انبیاء گزشتہ پر اُن کے بعض نشانوں پردشمنوں نے نہیں کی۔“ (روحانی خزائن جلد17صفحہ348)

مگر یہ بات قطعی ہے کہ ان اعتراضات کاجواب دینا انتہائی ضروری ہے تاکہ ان باطل اعتراضات کے نتیجہ میں کسی شخص کو ٹھوکر نہ لگے۔ حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ السلام فرماتے ہیں۔

”خداکے رسولوں اورماموروں پر جو یہ اندھی دنیاطرح طرح کے الزام لگاتی ہے اگر ان کو دفع نہ کیا جائے تو اس سے دعوت اورانذار کاکام سست ہوجاتاہے بلکہ رُک جاتا ہے اور ان کی باتیں دلوں پراثر نہیں کرتیں اور معمولی رنگ کے جواب اچھی طرح دلوں کے زنگ دور نہیں کرسکتے۔پس اس سے اندیشہ ہوتا ہے کہ لوگ اپنی بدگمانیوں سے ہلاک نہ ہوجائیں اورہیزم دوزخ نہ بن جائیں۔“(روحانی خزائن جلد21صفحہ 102)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کا فقط یہی ایک دعویٰ آپؑ کے دعویٰ نبوت پر مہر تصدیق ثبت کرنے کیلئے کافی ہے۔

اک نشاں کافی ہے گردل میں ہے خوف کردگار

لہٰذادیگر انبیاء کے مخالفین اورمکذبین کی راہ پر چلتے ہوئے حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ السلام کے مخالفین اور مکذبین نے بھی آپؑ پروہی اعتراضات کئے ہیں جو گزشتہ انبیائے صادقہ پر کئے گئے۔ان اعتراضات میں سے ایک اعتراض وہ ہے جو ملاّں اپنی تقریراور تحریر میں انتہائی تمسخرکے انداز میں بیان کرتا ہے۔ یعنی یہ کہ مرزا صاحب نے حکیم محمد حسین قریشی مرحوم کی معرفت ٹانک وائین منگوائی۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ٹانک وائین شراب کی کوئی قسم نہیں ہے بلکہ یہ ایک دوائی کانام ہے جو مختلف امراض میں کام آتی ہے اور خصوصاً بچہ کی پیدائش کے بعد بہت مفید ہے۔چنانچہ طب کی مشہور کتاب Materia Medica of Pharmaceutical Combination & Specialities جوعلم الاجزاء وخواص الادویہ کی کتاب ہے اس میں ”ٹانک وائین“ کے متعلق درج ذیل عبارت لکھی ہے۔

“Restorative after child birth prophylatic against malarial fever, anaemia, anorexia (page197)”

کہ ٹانک وائین بچہ کی ولادت کے بعد زچہ کی بحالی صحت کے لئے مفید ہے۔نیز ملیریا کے زہرکو زائل کرنے اورکمی خون اور بھوک نہ لگنے کیلئے بھی مفید ہے۔

جب ہم حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ السلام کا خط جس میں ٹانک وائین کا ذکر ہوا ہے پڑھتے ہیں تو اس میں کسی جگہ بھی حضرت اقدس علیہ السلام نے یہ نہیں لکھا کہ میں نے اسے استعمال کرنا ہے۔یہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں کہ حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ السلام خاندانی حکیم بھی تھے اوراکثر محض للہ،غریب بیماروں کو بعض اوقات اپنی گرہ سے نہایت قیمتی ادویہ دیا کرتے تھے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ ٹانک وائین کسی شراب کی دکان پرفروخت نہیں کی جاتی بلکہ یہ صرف میڈیکل سٹورز پردستیاب ہوتی ہے۔پھراس خط سے،جس کا حوالہ دیا جاتا ہے، یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے اپنے گھر میں صاحبزادہ مرزامبارک احمد صاحب کی ولادت کاذکر کرتے ہوئے بعض ادویات طلب فرمائی تھیں۔لہٰذا محض دوائی منگوانے سے یہ نتیجہ اخذ کرلینا یہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے خود اپنے استعمال کیلئے منگوائی تھی،سوائے بغض وعناد کے اورکچھ بھی نہیں۔

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی ذات بابرکات ایک اور دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ آپ کی وفات بیت الخلاء میں ہوئی۔قرآن کریم کاارشاد ہے ہے”ھَاتُوۡا بُرۡھَانَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ“ کہ اگر تم سچے ہوتو اس کی دلیل پیش کرو۔اوراگر ملاّں ایسا نہ کرسکیں تو پھر ہمارا جواب قرآنی الفاظ میں یہی ہے کہ ”لَعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ“تاہم بدنیتی سے ایسے الزام لگانے والے ہر سچائی کاخون کرنے پرتُلے ہوتے ہیں۔ واقعہ وفات کے وقت موقع پر موجودہ اصحابؓ کی متفقہ گواہی یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی وفات بستر علالت پرہوئی اور یہ گواہی روزِازل سے شائع شدہ اور مشہور ہے۔اس کے برعکس معترضین میں سے کوئی بھی وہاں موجود نہیں تھا۔اس پس منظر میں اُن کا گھر بیٹھے یہ اعتراض کرنا سراسر افتراء نہیں تواور کیا ہے۔اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی نبی پر اس قسم کے اعتراضات کرنے سے اُس کی نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا۔نبوت کاسچا دعویٰ کرنے والوں کی جو نشانیاں قرآن وحدیث میں بیان کی گئی ہیں اُن کی رُو سے حضرت مسیح موعودعلیہ السلام ایک سچے نبی ہیں۔اسی طرح قرآن وحدیث میں نبوت کاسچا دعویٰ کرنے والوں کے مخالفین اور مکذبین کی جو نشانیاں بیان کی گئی ہیں وہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے مخالفین اور مکذبین میں پوری طرح جلوہ گر ہیں۔

دراصل بعینہٖ یہی اعتراضات تمام نبیوں کے سردارحضرت خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر بھی آپؐ کے مخالفین ومکذبین کی طرف سے کئے گئے ہیں۔چنانچہ بعض عیسائی مصنفین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے متعلق جو زہر افشانی کی ہے اُس کو بیان کرتے ہوئے مشہور مؤرخ محمد حسنین ہیکل اپنی کتاب”حیات محمد صلی اللہ وسلم“ میں تحریر کرتے ہیں کہ

”چیرونوچن نوجوان نسبتاً زیادہ سنجیدہ ہے۔لکھتاہے حضرت محمد ﷺ نے شراب کی مستی میں جان دی اور اس کی لاش میلے کے ڈھیر سے ملی۔“(نعوذ باللہ)

(حیات محمد صلی اللہ علیہ وسلم مصنفہ محمد حسنین ہیکل ۔ترجمہ محمد مسعود عبدہٗ صفحہ نمبر17 ۔الفیصل ناشران و تاجران کتب غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور)

قارئین کرام غور فرمائیں کہ کیا ملاؤں کی طرف سے حضرت مسیح موعودعلیہ السلام پر کئے جانے والے اعتراضات وہی نہیں ہیں جو عیسائیوں نے آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات پر بھی لگائے گئے ہیں۔کیا یہ وہی ذہنی پستگی اور اخلاقی گراوٹ کا نمونہ نہیں جو عیسائی مصنفین نے اپنے بغض اور عناد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر لگائے۔

پس لازم تھا کہ جس قسم کے اعتراضات حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے آقا ومولیٰ حضرت محمد مصطفی صلی ﷺ پر آپ کے دشمنوں کی طرف سے لگائے گئے وہی اعتراضات آپ کے روحانی فرزند سیدنا حضرت مسیح موعودعلیہ السلام پر بھی آپ کے دشمنوں کی طرف سے آپ کی طرف لگائے جاتے۔

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام پر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ آپ نے نعوذباللہ،مالخولیا یا جنون کی وجہ سے مسیح ہونے کا دعویٰ کردیا۔اس اعتراض کاجواب دیتے ہوئے حضرت مسیح موعودعلیہ السلام فرماتے ہیں۔

”یوں تو میں کسی کے مجنون کہنے یادیوانہ نام رکھنے سے ناراض نہیں ہوسکتا بلکہ خوش ہوں۔کیونکہ ہمیشہ سے ناسمجھ لوگ ہر نبی اوررسول کابھی اُن کے زمانہ میں یہی نام رکھتے آئے ہیں اورقدیم سے ربانی مصلحوں کوقوم کی طرف سے یہی خطاب ملتا رہاہے۔“ (روحانی خزائن جلد3صفحہ212)

چنانچہ قرآن کریم اسی الزام کو جوحضرت اقدس محمد ﷺ پراُن کے مکذبین اورمکفرین کی جانب سے لگایا گیاہے یوں ذکرفرماتاہے۔

وَاِنۡ یَّکَادُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَیُزۡلِقُوۡنَکَ بِاَبۡصَارِھِمۡ لَمَّا سَمِعُوا الذِّکۡرَ وَیَقُوۡلُوۡنَ اِنَّہٗ لَمَجۡنُوۡنٌ (القلم:52)

یعنی یقیناً کفارسے بعید نہیں کہ جب وہ ذکر سنتے ہیں تو وہ تجھے اپنی نظروں(کے قہر)کے ذریعہ گرانے کی کوشش کریں۔اوروہ کہتے ہیں یہ تو یقیناً دیوانہ ہے۔

پس ازل سے یہی روایت نظرآتی ہے کہ کوئی بھی نبی جو کہ درحقیقت اپنے وقت میں سچائی کا سب بڑاعلمبردار،راستی اورصداقت کاسرچشمہ ہوتا ہے اور لوگوں کی نیک امیدوں کامرکز ہوتاہے،وہ جیسے ہی اپنی ماموریت کااعلان کرتا ہے تواس کے مخالف اسے جھوٹا،دھوکہ بازاورکذاب قراردیتے ہیں اور اسے دنیا کاسب سے بدترین وجودثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔یہی حال موجودہ زمانے میں حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے منکرین کا ہے۔جب تک آپ نے مسیح ومہدی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھاآپ کی شخصیت اور اسلامی خدمات کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتاتھا۔چنانچہ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے جو اہل حدیث کے سردار سمجھے جاتے ہیں”براہین احمدیہ“کی اشاعت پر ان الفاظ پر آپ کو خراج تحسین پیش کیاکہ۔”اب ہم اپنی رائے نہایت مختصر اور بے مغالغہ الفا ظ میں ظاہر کرتے ہیں۔ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں اور موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیرآج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی اور آئندہ کی خبر نہیں۔لعلّ اللّٰہ یحدث بعد ذٰلک امرا اور اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی وجانی وقلمی ولسانی وحالی وقالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے۔“ (اشاعۃ السنہ جلد7صفحہ169)

لیکن جونہی آپ نے ماموریت کااعلان فرمایا،تومولوی محمد حسین بٹالوی بھی سیدالانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین اور مکفرین کی سنت کی اتباع کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے مخالفین ومکفرین کی صف اوّل میں جا بیٹھے اور حضور علیہ السلام کے خلاف عرب وعجم کے علماء کے فتاویٰ تکفیر جمع کرنے کے لئے سرگرم ہوگئے۔اور اس طرح انہوں نے چودہ سوسال پہلے والے اسلام کے اوّلین زمانہ کو آخرین کے ساتھ ملاتے ہوئے،اُن کفار مکہ کی یادتازہ کردی جوپہلے آنحضور ﷺ کو صادق اور امین کہتے نہ تھکتے تھے۔لیکن آپؐ کے دعویٰ نبوت کے بعد وہی آپ کوجھوٹااورکذاب قرار دینے لگے۔قرآن کریم ان حالات کا ذکر یوں محفوظ کرتا ہے:

وَقَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ ھٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ (ص:5)

اور کافروں نے کہا یہ سخت جادوگر ہے(اور)سخت جھوٹاہے۔

پس یہ اعتراضات اورالزامات جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات بابرکات پر لگائے گئے ہیں وہی آپؑ کی صداقت کی ایک عظیم الشان دلیل بن گئے ہیں۔آپؑ نے کیا خوب فرمایاہے:

ہے کوئی کاذب جہاں میں لاؤ لوگو کچھ نظیر
میرے جیسی جس کی تائیدیں ہوئی ہوں باربار

نصیر احمد قمر۔ لندن

حضرت مسیح موعودؑ کی غیرت توحید، محبت الٰہی اور توکل علی اللہ

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت روحانی لحاظ سے دنیا کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ توحید مفقود ہوچکی تھی۔ شرک کا دَوردورہ تھا۔ لوگ اپنے خود تراشیدہ بتوں کے آگے سجدہ ریز ہوتے تھے اور فساد حد کمال کو پہنچا ہؤا تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو توحید کے قیام کے لئے مبعوث فرمایا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خدائے واحد ویگانہ کی طرف بلایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پھر سے دنیا میں توحید قائم ہوئی۔ وللہ در القائل ؎

خلائق کے دل تھے یقیں سے تہی
بتوں نے تھی حق کی جگہ گھیر لی
ضلالت تھی دنیا پہ وہ چھا گئی
کہ توحید ڈھونڈے سے ملتی نہ تھی
ہؤا آپؐ کے دم سے اس کا قیام
علیک الصلوٰۃ علیک السلام

حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کے وقت بھی روحانی لحاظ سے دنیا کی یہی حالت تھی۔ لوگ توحید سے منہ موڑ کر قسما قسم کے شرک اور بت پرستی میں مبتلا تھے۔ لوگوں نے صدہا ارباب متفرقہ بنا رکھے تھے۔ مخلوق پرستی کا بازار گرم تھا۔ آریہ سماج یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ خدا خالق نہیں ہے۔ بلکہ ذرہ ذرہ کائنات کا انادی اور اپنی ذات میں مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ یہ لوگ تینتیس کروڑ دیوتا ربوبیت کے کاروبار میں خدا کے شریک قرار دیتے تھے۔ ادھر عیسائیوں نے خدا کے ایک عاجز اور مسکین بندے کو خدا بنا رکھا تھا۔ اس فساد فی البر والبحر کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآنی پیشگوئیوں اور پہلے سے کئے گئے وعدوں کے عین مطابق حضرت مسیح موعودؑ کو توحید باری تعالیٰ کے قیام اور غلبہ اسلام کی غرض سے مبعوث فرمایا۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے اپنی بعثت کی غرض بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

''خداتعالیٰ نے مجھے کھڑا کیا ہے اور مجھے حکم دیا ہے تا میں لوگوں پر ظاہر کروں کہ ابن مریم کو خدا ٹھہرانا ایک باطل اور کفر کی راہ ہے۔''
(کتاب البریہ بحوالہ روحانی خزائن جلد13 صفحہ55)

آپؑ کی غیرت توحید نے قطعاً یہ برداشت نہ کیا کہ لوگ خدائے واحد ویگانہ کو چھوڑ کر شرک کی راہوں پر چلیں۔ چنانچہ آپؑ نے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں اسلام کے خدا کا حسین تصور پیش کیا اور تمام مذاہب باطلہ کا رد ثابت کیا۔ آپ علیہ السلام نے قرآن مجید کی پہلی سورۃ، سورۃ فاتحہ کی ابتدائی آیات سے ہی ہندوؤں، آریوں اور عیسائیوں کے جھوٹے خداؤں کا بطلان ثابت فرمایا اور بتلایا کہ ہمارا خدا ایک قادر و توانا خدا ہے۔ وہ رب العالمین ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے اور ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں اور یہ کہ ہمارا خدا زندہ خدا ہے۔ ؎

واحد ہے لاشریک ہے اور لازوال ہے
سب موت کا شکار ہیں اس کو فنا نہیں

آپؑ نے فرمایا کہ ''اسلام نہایت ہی مبارک مذہب ہے جو اس خدا کی طرف رہبری کرتا ہے جو نہ تو عیسائیوں کے خدا کی طرح کسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہؤا ہے اور نہ ہی وہ ایسا ہے کہ آریوں کے پرمیشر کی طرح مکتی دینے پر قادر نہ ہو..... اسلام کا خدا ایسا قدوس اور قادر خدا ہے کہ اگر تمام دنیا مل کر اس میں کوئی نقص نکالنا چاہے تو نہیں نکال سکتی۔ ہمارا خدا تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا خدا ہے۔ وہ ہر ایک نقص اور عیب سے مبرا ہے کیونکہ جس میں کوئی نقص ہو وہ خدا کیونکر ہوسکتا ہے۔''
(الحکم 6 جنوری 1908ء صفحہ 372)

یوں حضور نے دنیا میں قیام توحید کے لئے عظیم الشان جہاد کا علم بلند کیا۔ اس سلسلہ میں معرکہ آراء کتب تصنیف فرمائیں اور اسی غرض سے باذن الٰہی ایک عظیم الشان جماعت احمدیہ کی بنیاد رکھی۔ جو آج بھی خدا کے فضل وکرم سے خلافت حقّہ اسلامیہ احمدیہ کی زیر سیادت دنیا سے شرک وبت پرستی کو مٹانے اور وحدہ لاشریک خدا کی حکومت کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے ہمہ تن کوشاں ہے۔ جس کی مساعی کسی بھی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

قیام توحید کے مقصد کو کماحقہ حاصل کرنے کے لئے محبت الٰہی کا ہونا ضروری ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

''اصل توحید کو قائم کرنے کیلئے ضروری ہے کہ خداتعالیٰ کی محبت سے پورا حصہ لو اور یہ محبت ثابت نہیں ہوسکتی جب عملی حصہ میں کامل نہ ہو نری زبان سے ثابت نہیں ہوتی۔'' (ملفوظات جلد سوم صفحہ 188)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ محبت الٰہی کس چیز کا نام ہے اور اس سے کیا مراد ہے؟

اس بارہ میں حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''خدا کے ساتھ محبت کرنے سے کیا مراد ہے؟ یہی کہ اپنے والدین، جورو، اپنی اولاد، اپنے نفس غرض ہر چیز پر اللہ کی رضا کو مقدم کرلیا جاوے۔ چنانچہ قرآن شریف میں آتا ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کرو کہ جیسا تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ اور سخت درجہ کی محبت کے ساتھ یاد کرو۔'' (ملفوظات جلد سوم صفحہ188)

چنانچہ جب ہم اس لحاظ سے حضور علیہ السلام کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپؑ کی محبت الٰہی واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہے۔ ابتدائے عمر سے ہی دنیاوی امور سے بے رغبت تھے اور نماز، ذکر الٰہی اور تسبیح و تحمید سے شغف رکھتے تھے۔ آپؑ ہر معاملہ میں رضائے الٰہی کو مقدم فرماتے۔ آپؑ کا یہ نظریہ تھا کہ ''خدا کی راہ میں ہر ایک ذلت اور موت فخر کی جگہ ہے۔'' (کتاب البریہ بحوالہ روحانی خزائن جلد13 صفحہ30)

محبت الٰہی میں آپؑ فنائیت کے مقام تک پہنچے ہوئے تھے۔ فرماتے ہیں کہ

دیکھتا ہوں اپنے دل کو عرشِ رب العالمیں
قرب اتنا بڑھ گیا جس سے ہے اترا مجھ میں یار
لوگ کچھ باتیں کریں میری تو باتیں اور ہیں
میں فدائے یار ہوں گو تیغ کھینچے صد ہزار

اپنے مخالفین ومعاندین سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا۔

''یاد رکھو جو مجھ سے مقابلہ کرتا ہے وہ مجھ سے نہیں بلکہ اس سے مقابلہ کرتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔'' (ملفوظات جلد دہم صفحہ 425)

اور پھر مخالفین اپنی سازشوں اور شرارتوں میں حد سے بڑھ گئے اور نعوذ باللہ آپ کے قتل کے منصوبے بنانے لگے تو بڑے جلال سے فرمایا۔ ؎

سر سے لے کر پاؤں تک وہ یار مجھ میں ہے نہاں
اے میرے بدخواہ کرنا ہوش کرکے مجھ پہ وار

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کامل مومنین کی ایک علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی محبت رکھتے ہیں کہ جیسا کہ محبت کا حق ہے فرمایا۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ (سورۃ البقرۃ:166) اور ظاہر ہے کہ کامل محبت الٰہی بجز اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ممکن نہیں۔ جیسا کہ فرمایا۔ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران)

حضور علیہ السلام کی اطاعت رسولؐ بھی بے مثل و بے نظیر تھی۔ آپ نے اپنی تقاریر وتصانیف میں جابجا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی اس محبت کا اظہار فرمایا ہے۔ حتی کہ فرمایا ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

کامل اطاعت الٰہی و اطاعت رسولؐ ہی کے نتیجہ میں آپ اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان انعام، انعامِ نبوت سے سرفراز ہوئے۔ چنانچہ فرمایا۔

ایں آتشم ز آتش مہر محمدیؐ است
ویں آب من ز آبِ زلالِ محمدؐ است

محبت الٰہی کا ایک تقاضایہ بھی ہے تھا کہ محبوب کے کلام سے بھی محبت کی جائے۔ حضور علیہ السلام کو کلام الٰہی، قرآن مجید سے عشق ومحبت کا جو عظیم الشان تعلق تھا اس کا علم حضورؑ کی تحریرات اور سیرت کے مطالعہ سے بخوبی ہوجاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ کی بعثت ہی توحید الٰہی، عظمت رسولؐ اور حکومتِ قرآن پاک کے دلوں میں قیام کی خاطر ہوئی تھی۔ حضور کا یہ شعر آپؑ کی محبت الٰہی اور محبت قرآن پر زبردست دلیل ہے۔ فرماتے ہیں۔

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ میرا یہی ہے

اللہ تعالیٰ سے آپؑ کی یہ محبت یک طرفہ نہ تھی بلکہ وہ بھی آپؑ سے پیار کرتا تھا۔ وہ بکثرت آپؑ سے کلام کرتا تھا اور اپنی شیریں اور دل نشیں باتوں سے ہر خوف وحزن کے موقع پر آپؑ کو تسلی دیتا تھا۔ اس نے آپؑ سے فرمایا تھا۔ '' أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ '' کیا خدا اپنے بندہ کیلئے کافی نہیں؟

آپؑ بھی اپنے محبوب رب کی باتوں پر کامل یقین اور بھروسہ رکھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔ ''ہم کو اپنے خدائے قادر ومطلق اور اپنے مولیٰ کریم پر اس سے زیادہ بھروسہ ہے کہ جو مُمسک اور خسیس لوگوں کو اپنی دولت کے ان صندوقوں پر بھروسہ ہوتا ہے کہ جن کی تالی ہر وقت ان کی جیب میں رہتی ہے۔ سو وہی قادر توانا اپنے دین اور اپنی وحدانیت اور اپنے بندہ کی حمایت کے لئے آپ مدد کرے گا۔''
(اشتہار ''عرض ضروری بحالت مجبوری'' مشمولہ براہین احمدیہ حصہ دوم)

جب آپؑ نے خدا کے وہ الہامات اور وہ پیشگوئیاں جو اس نے آپؑ پر ظاہر کی تھیں، دنیا کے سامنے پیش فرمائیں تو مخالفین نے آپؑ کی ہنسی اڑائی اور تمسخر اور استہزاء سے کام لیا۔ مگر چونکہ آپؑ خداتعالیٰ کی باتوں پر یقین کامل رکھتے تھے اس لئے ان سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا۔

''خدا کے کلام پر ہنسی نہ کرو۔ پہاڑ ٹل جاتے ہیں۔ دریا خشک ہوسکتے ہیں۔ موسم بدل جاتے ہیں مگر خدا کا کلام نہیں بدلتا جب تک پورا نہ ہولے۔'' (اربعین نمبر4 بحوالہ روحانی خزائن جلد17 صفحہ458)

غرضیکہ محبت الٰہی کی طرح آپؑ کا توکل بھی بے نظیر اور مثالی تھا۔ فرماتے ہیں۔ ''میں اپنے قلب کی عجیب کیفیت پاتا ہوں۔ جب سخت حبس ہوتا ہے اور اگر گرمی کمال شدت کو پہنچ جاتی ہے تو لوگ وثوق سے امید کرتے ہیں کہ اب بارش ہوگی۔ ایسا ہی جب میں اپنی صندوقچی کو خالی دیکھتا ہوں تو مجھے خدا کے فضل پر یقین واثق ہوتا ہے کہ اب یہ بھرے گی۔ اور ایسا ہی ہوتا ہے۔'' (ملفوظات جلد اول صفحہ 325)

اسی طرح فرمایا۔ ''ہمارا اپنے کام کے لئے تمام وکمال بھروسہ اپنے مولیٰ کریم پر ہے۔ اس بات سے کچھ غرض نہیں کہ لوگ ہم سے اتفاق رکھتے ہیں یا نفاق اور ہمارے دعویٰ کو قبول کرتے ہیں یا رد۔ اور ہمیں تحسین کرتے ہیں یا نفرین۔ بلکہ ہم سب سے اعراض کرکے اور غیر اللہ کو مردہ کی طرح سمجھ کر اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔'' (سبز اشتہار)

آپؑ کا تو یہ نعرہ تھا کہ ؎

پناہم آں تو انائیست ہر آں
زبخلِ نا توانم مترساں

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حضور علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا کرے۔ ہمارے دلوں میں بھی ایسی ہی غیرت توحید پائی جائے کہ ہم قیام توحید کے لئے اپنی زندگیاں صرف کرنے والے ہوں۔ ہمیں بھی ایسی ہی محبت الٰہی نصیب ہو اور ہم بھی توکل کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوں۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین ثم آمین۔

لفظ بیعت کا تعارف۔ اس کی اہمیت

مقصود احمد منصور

جب قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ”بیعت“ کا ذکر تین جگہوں پر خصوصاً آتا ہے۔ ایک سورۃ الفتح آیت 11 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

”یقیناً وہ لوگ جو تیری بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی کی بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ہے جو اُن کے ہاتھ پر ہے۔“ (الفتح:11)

اسی سورۃ کی آیت نمبر 19 میں ہے کہ

”یقیناً اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے تیری بیعت کر رہے تھے۔“ (الفتح:19)

اسی طرح تیسری جگہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سورۃ الممتحنہ میں فرماتا ہے کہ ”اے نبی! جب مومن عورتیں تیرے پاس آئیں (اور) اس (امر) پر تیری بیعت کریں......“ (الممتحنہ :13)

لفظ بیعت عربی لفظ ہے جس کا مادہ 'ب۔ی۔ع' ہے۔ مفردات میں لکھا ہے ”اَلْبَیْعُ کے معنی بیچنے اور شِرَاءٌ کے معنی خریدنے کے ہیں۔ لیکن یہ دونوں ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور یہ قیمت اور بیع کے لحاظ سے ہوتا ہے“

(مفردات القرآن۔ تصنیف حضرت امام راغب اصفہانی۔ صفحہ 134)

ان معنوں کے لحاظ سے بھی قرآن کریم میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ سورۃ التوبہ آیت 111 میں ہے۔ فرمایا ۔

یقیناً اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لئے ہیں تا کہ اس کے بدلہ میں اُنہیں جنت ملے۔ وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں پس وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔ اُس کے ذمہ یہ پختہ وعدہ ہے جو تورات اور انجیل اور قرآن میں (بیان) ہے۔ اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہے۔ پس تم اپنے اس سودے پر خوش ہو جاؤ جو تم نے اس کے ساتھ کیاہے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے (التوبۃ:111)

پس ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ ”بیعت“ ایک روحانی تجارت ہے اور خدا سے ایک عہد ہے۔

قرآن کریم کے بعد اب احادیث میں سے دیکھتے ہیں کہ ”بیعت“ کے بارے میں کیا آیا ہے۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے۔

”یحییٰ نے اسماعیل سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا۔ انہوں نے کہا : مجھے قیس بن ابی حازم نے جریر بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہوئے بتلایا انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت نماز سنوار کر پڑھنے اور زکوٰۃ دینے اور ہر ایک مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر کی“

(صحیح بخاری۔ کتاب الایمان۔ باب 42۔ حدیث نمبر 57۔ ترجمہ: حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہؓ۔ سن اشاعت 2006ء)

ایک اور روایت ہے کہ

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ۔ جب میں نبی ﷺ کے پاس آیا تو میں نے راستہ میں یہ شعر کہا تھا۔

ہائے وہ رات جو کتنی طولانی اور کیسی ایذا رساں تھی
ہاں یہ بات ہے کہ اس نے کفر کے گھر سے نجات دلا دی

کہتے تھے: اور میرا ایک غلام راستے میں مجھ سے بھاگ گیا۔ اسی طرح بیان کرتے تھے کہ جب میں نبی ﷺ کے پاس آیا تو میں نے آپ ﷺ سے بیعت کی۔ ابھی میں آپؐ کے پاس ہی تھا کہ وہ غلام بھی آگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ابوہریرہؓ! یہ ہے تمہارا غلام۔ میں نے کہا: وہ اللہ کے لئے آزاد ہے۔ چنانچہ میں نے اسے آزاد کردیا۔“

(صحیح بخاری۔ کتاب العتق۔ باب 7۔ حدیث نمبر 2531۔ جلد چہارم۔ صفحہ 562)

اسی طرح مہاجرین اور انصار صحابہؓ کے بارے آتا ہے کہ

”حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ مہاجر اور انصار مدینہ کے ارد گرد خندق کھودنے لگے وہ اپنی پیٹھوں پر مٹی ڈھوتے تھے اور (شعر) بھی پڑھتے جاتے تھے۔

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدَا عَلَی الْاِسْلَامِ مَابَقِیْنَا اَبَدَا

یعنی ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ سے بیعت کی ہے کہ جب تک ہم زندہ رہیں گے ہمیشہ اسلام پر قائم رہیں گے۔

اور نبی ﷺ انہیں جواب دیتے اور یہ (شعر) پڑھتے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّہٗ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْآخِرَہْ فَبَارِکْ فِی الْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَہْ

اصل فائدہ تو آخرت کا فائدہ ہی ہے۔ اے اللہ انصار اور مہاجرین ہر دو کو برکت عطا کر۔

(صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد و السیر۔ باب نمبر 34۔ حدیث نمبر 2835 جلد پنجم۔ صفحہ 203 ترجمہ: حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ۔ سن اشاعت 2006ء)

ان احادیث کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں جن سے یہ بڑی وضاحت سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب کسی کو مسلمان بناتے تو بیعت ضرور لیا کرتے تھے۔ اور یہ آپؐ کی ایک پاک سنت تھی۔ ان احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ

1۔ بیعت صرف آنحضرت ﷺ لیا کرتے تھے۔ جو مسلمانوں کے نبی اور پیشوا تھے۔

2۔ باقی صحابہ آپؐ کی طرف سے بیعت نہیں لیتے تھے۔ ہاں ایک صحابی اپنی قوم کی طرف سے بیعت لے سکتا تھا۔ لیکن صرف آپؐ کے ہاتھ پر

3۔ اسی طرح بیعتِ رضوان کے واقعہ سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ بیعت دوبارہ بھی لی جاسکتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپؐ کے خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم یکے بعد دیگرے اپنے عہدِ خلافت میں صحابہ کرام سے بیعت لیتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے ایک لمبی روایت ہے جس میں آپ نے بتایا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکر سے کہا۔ ہم آپ کی بیعت کریں گے کیونکہ آپ ہمارے سردار، ہم میں سے بہتر اور آنحضرت ﷺ کے زیادہ محبوب تھے چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کا ہاتھ پکڑا اور آپ کی بیعت کی۔ اس پر دوسرے لوگوں نے بھی بیعت کر لی“

(بخاری ۔ کتاب المناقب۔ باب فضل ابی بکرؓ۔)

اسی طرح باقی خلفاء راشدین کے دور میں بھی ہر خلیفۂ راشد نے مسندِ خلافت پر بیٹھتے ہی مسلمانوں کی بیعت لی۔ بیعت کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ایک بڑا واضح ارشاد بھی ہے۔

”حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپؐ فرما رہے تھے جس نے اطاعت سے ہاتھ کھینچا وہ قیامت کے دن اللہ کو اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی۔ اور جو اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا“

(مسلم ۔کتاب الامارۃ ۔باب الامر بلزوم الجماعۃ عند ظہور الفتن۔ حدیث نمبر 3427۔ جلد دہم۔ صفحہ 46)

پس ان تمام احادیث اور قرآنی آیات کی روشنی سے پتہ چلتا ہے کہ بیعت لینا جزو ایمان ہے اور یہ ایک بہت ضروری عمل ہے۔

چنانچہ امام مہدی کی بیعت لینے کے بارے میں ایک حدیث ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم ان (مہدی) کو دیکھو تو ان سے بیعت کرو اگرچہ تمہیں گھٹنوں کے بل گھسٹ کر جانا پڑے۔ کیونکہ وہ اللہ کے خلیفہ ہوں گے۔

(سنن ابن ماجہ۔ کتاب الفتن۔ الباب خروج المہدی۔ حدیث نمبر 965)

بیعت کے معنے ہیں اپنے تئیں بیچ دینا اور یہ ایک کیفیت ہے جس کو قلب محسوس کرتا ہے جبکہ انسان اپنے صدق اور اخلاص میں ترقی کرتا کرتا اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اس میں یہ کیفیت پیدا ہو جائے، تو وہ بیعت کے لئے خود بخود مجبور ہو جاتا ہے اور جب تک یہ کیفیت پیدا نہ ہو جائے۔ تو انسان سمجھ لے کہ ابھی اس کے صدق اور اخلاص میں کمی ہے۔“

اسی طرح ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا۔

”بیعت میں جاننا چاہئے کہ کیا فائدہ ہے اور کیوں اس کی ضرورت ہے؟ جب تک کسی شئے کا فائدہ اور قیمت معلوم نہ ہو تو اس کی قدر آنکھوں کے اندر نہیں سماتی.......بیعت میں عظیم الشان بات توبہ ہے۔ جس کے معنی رجوع کے ہیں۔ توبہ اس حالت کا نام ہے کہ انسان اپنے معاصی سے جن سے اس کے تعلقات بڑھے ہوئے ہیں اور اس نے اپنا وطن انہیں مقرر کر لیا ہوا ہے گویا کہ گناہ میں اُس نے بُودوباش مقرر کر لی ہوئی ہے۔ اُس وطن کو چھوڑنا اور رجوع کے معنے پاکیزگی کو اختیار کرنا........یہ توبہ کی حقیقت ہے اور یہ بیعت کی جُز کیوں ہے؟ تو بات یہ ہے کہ انسان غفلت میں پڑا ہوا ہے۔ جب وہ بیعت کرتا ہے اور ایسے کے ہاتھ پر جسے اللہ تعالیٰ نے وہ تبدیلی بخشی ہو، تو جیسے درخت میں پیوند لگانے سے خاصیّت بدل جاتی ہے۔ اسی طرح سے اس پیوند سے بھی اس میں وہ فیوض اور انوار آنے لگتے ہیں۔ بشرطیکہ اُس کے ساتھ سچا تعلق ہو۔ خشک شاخ کی طرح نہ ہو۔ اُس کی شاخ ہو کر پیوند ہو جاوے۔ جس قدر یہ نسبت ہوگی اسی قدر فائدہ ہوگا۔“

درمدح حضرت مسیح موعود علیہ السلام

تجھے دیکھا تو سارے اولیاء و انبیاء دیکھے
ظہورِ اولیاء تُو ہے بروزِ انبیاء تُو ہے

کلیم اللہ بننے کا شرف حاصل ہوا تجھ کو
خدا بولے نہ کیوں تجھ سے کہ محبوبِ خدا آیا

اندھیرا چھا رہا تھا سب اجالا کر دیا جس نے
وہی بدر الدجیٰ تُو ہے وہی شمس الضحیٰ تُوہے

گنہگاروں کو اپنی اک نظر سے پاک کر ڈالے
خدا سے پھر ملائے جو وہ مردِ باصفا تُو ہے

وہ خاطی ہیں جو کہتے ہیں نہیں ہے کیمیا کچھ شے
مِسِ جاں کے لئے دیکھیں وہ آکر کیمیا تُو ہے

گئے اسلام کے خطرے کے دن جب سے کہ تُو آیا
خدا سے کشتئ اسلام کا اب ناخدا تُو ہے

گناہ سے پاک کر ہم کو شفا بیماریوں سے دے
توہم مردوں کو زندہ کرکہ عیسیٰ سے سوا تُو ہے

(کلامِ بشیرایڈیشن 1963 صفحہ 3۔4)

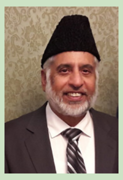

قمر داؤد کھوکھر۔آسٹریلیا

رسول اللہ ﷺ کی بیان فرمودہ حضرت مہدی معہودؑ کی ایک علامت کا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی ذات میں عظیم الشان ظہور

امت مسلمہ میں ظاہر ہونے والے حضرت امام مہدیؑ کے بارہ میں بہت سی روایات پیشگوئیوں کے رنگ میں بکھرے موتیوں کی طرح کتب حدیث میں موجود ہیں۔ان روایات میں حضرت امام مہدیؑ کے ظہور سے متعلق بے شمار علامات بیان فرمائی گئی تھیں۔ جن کی غرض یہ تھی کہ امت ان علامات کے ذریعہ سچے مہدی کو پہچان سکیں اور اس پر ایمان لا کر اپنی نجات کا سامان کر سکیں ۔ ان علامات میں سے کچھ تو ظاہری لحاظ سے پوری ہوئیں اوراکثر علامات استعارہ کا رنگ رکھتی تھیں وہ کسی اَور رنگ میں اور کسی اَور طرح سے پوری ہوئیں کیونکہ پیشگوئیوں میں اکثر اخفاء اور امتحان کا پہلو ہوا کرتا ہے۔

انہی روایات میں سے ایک روایت کا ذکرحضرت علیؓ سے مروی ایک مرفوع روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ’’اَلْمَھْدِیُّ مِنَّا اَھْلَ الْبَیْتِ یُصْلِحُہُ اللّٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ‘‘ کہ مہدی ہم میں سے اور ہمارے اہل بیت سے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ایک ہی رات میں صالح بنا دے گا۔ ایک دوسری سند کے ساتھ یہ الفاظ آئے ہیں کہ اَلْمَھْدِیُّ یُصْلِحُہُ اللّٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ وَّاحِدَۃٍ کہ مہدی کو اللہ تعالیٰ ایک ہی رات میں صالح بنا دے گا۔

(سُنَن ابنِ مَاجہ کِتَابُ الْفِتَن بَاب 34 خُرُوْجِ الْمَھْدِیِّ، حدیث نمبر 4085)

اس حدیث کی شرح میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ اوّل یہ کہ اہل عرب اَصْلَحَ اللّٰہُ کا کلمہ کسی کی مدح اور دعا کے لئے استعمال کرتے ہیں اور جب امراء کو مخاطب کرنا ہو تو کہا جاتا ہے کہ ’’اَصْلَحَ اللّٰہُ الْاَمِیْرَ اَیْ وَفَّقَہٗ وَسَدِّدْ خُطَاہُ وَاَصْلِحْ شَاْنَہٗ‘‘ کہ اللہ امیر کو نیکی کی توفیق دے، اسے راہ سداد پر قائم رکھے اور اس کے سارے کام درست کر دے۔ اور دوسرے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ ’’وَمَعْنَی یُصْلِحُہُ اللّٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ وَّاحِدَۃٍ اَیْ یَتُوْبُ اِلَیْہِ وَیُوَفِّقُہٗ وَیُلْھِمُہٗ رُشْدَہٗ بَعْدَ اِنْ لَّمْ یَکُنْ کَذَالِکَ وَیُعِدُّہٗ لِلْخِلَافَۃِ وَلِلْقِیَادَۃِ کہ حدیث میں یہ جو آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ امام مہدی کو ایک ہی رات میں صالح بنا دے گا، اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع فرمائے گا اور ان کوتوفیق عطا فرماکر اپنی طرف سے علم وہدایت الہام کرے گا اور انہیں خلافت کے لئے اور مسلمانوں کی قیادت کے لئے تیار کرے گا۔‘‘

(اَلْمَسِیْحُ الْمُنْتَظَرُ وَنِھَایَۃُ الْعَالَمِ از عبد الوہاب عبد السلام طویلۃ صفحہ 59۔61)

اس حدیث کی شرح میں پاکستان سے تعلق رکھنے والے ایک غیراحمدی عالم دین لکھتے ہیں’’یعنی اپنی توفیق و ہدایت سے ایک ہی رات میں نسبتِ نبوت کا نور عطا فرما کر ولایت کے اس مقام پر پہنچا دے گا جہاں وہ اس سے پہلے نہ تھے۔‘‘ (ظہور مہدی تک از ابو عبد اللہ آصف نقشبندی صفحہ 52)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس مقام مہدیؑ کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں’’مہدی کے کامل مرتبہ پر وہی پہنچتا ہےجو اول عیسیٰؑ بن جائے یعنی جب انسان تبتّل اِلَی اللہ میں ایسا کمال حاصل کرے جو فقط روح رہ جائے تب وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک روح اللہ ہو جاتا ہے اور آسمان میں اس کا نام عیسیٰ رکھا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے ایک روحانی پیدائش اس کو ملتی ہے۔‘‘(نشان آسمانی ، روحانی خزائن جلد 4صفحہ 368)

نبی کریم ﷺ کی امام مہدیؑ سے متعلق اس علامت کا ظہور حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کی مبارک زندگی میں کیسے اور کس طریق پر ہوااس تعلق میں 3 واقعات قارئین کی دلچسپی اور علم میں اضافہ کے لئے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

ایک ہی رات میں خدا نے بتام و کمال میری اصلاح کردی

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں۔

’’تخمیناً پچیس برس کے قریب عرصہ گزر گیا ہے کہ میں گورداسپورہ میں تھا کہ مجھے یہ خواب آئی کہ میں ایک جگہ چارپائی پر بیٹھا ہوں اور اُسی چار پائی پر بائیں طرف میرے مولوی عبداللہ صاحب مرحوم غزنوی بیٹھے ہیں جن کی اولاد اب امرتسر میں رہتی ہے۔ اتنے میں میرے دل میں محض خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک تحریک پیدا ہوئی کہ مولوی صاحب موصوف کو چار پائی سے نیچے اتار دوں۔ چنانچہ میں نے اپنی جگہ کو چھوڑ کر مولوی صاحب کی جگہ کی طرف رجوع کیا۔ یعنی جس حصہ چارپائی پر وہ بائیں طرف بیٹھے ہوئے تھے اس حصے میں میں نے بیٹھنا چاہا۔ تب انہوں نے وہ جگہ چھوڑ دی اور وہاں سے کھسک کر پائینتی کی طرف چند انگلی کے فاصلے پر ہو بیٹھے۔ تب پھر میرے دل میں ڈالا گیا کہ اس جگہ سے بھی میں ان کو اٹھا دوں پھر میں ان کی طرف جھکا تو وہ اس جگہ کو بھی چھوڑ کر پھر چند انگلی کی مقدار پر پیچھے ہٹ گئے۔ پھر میرے دل میں ڈالا گیا کہ اس جگہ سے بھی ان کواَور زیادہ پائینتی کی طرف کیا جائے۔ تب پھر وہ چند انگلی پائینتی کی طرف کھسک کر ہو بیٹھے۔ القصہ میں ایسا ہی ان کی طرف کھسکتا گیا اور وہ پائینتی کی طرف کھسکتے گئے۔ یہاں تک کہ ان کو آخر چارپائی پر سے اُترنا پڑا اور وہ زمین پر جو محض خاک تھی اور اس پر چٹائی وغیرہ کچھ بھی نہ تھی اُتر کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں تین فرشتے آسمان سے آئے۔ ایک کا نام ان میں سے خیراتی تھا۔ وہ بھی ان کے ساتھ زمین پر بیٹھ گئے اور میں چارپائی پر بیٹھا رہا ۔ تب میں نے ان فرشتوں اور مولوی عبداللہ صاحب کو کہا کہ آؤ میں ایک دعا کرتا ہوں تم آمین کرو۔ تب میں نے یہ دعا کی کہ رَبِّ اَذْھِبْ عَنِّی الرِّجْسَ وَطَھِّرْنِیْ تَطْھِیْرًا، اس کے بعد وہ تینوں فرشتے آسمان کی طرف اُٹھ گئے اور مولوی عبداللہ صاحب بھی آسمان کی طرف اٹھ گئے۔ اور میری آنکھ کھل گئی۔ اور آنکھ کھلتے ہی میں نے دیکھا کہ ایک طاقت بالا مجھ کو ارضی زندگی سے بلند تر کھینچ کر لے گئی اور وہ ایک ہی رات تھی جس میں خدا نے بتام و کمال میری اصلاح کردی اور مجھ میں وہ تبدیلی واقع ہوئی کہ جو انسان کے ہاتھ سے یا انسان کے ارادہ سے نہیں ہو سکتی۔‘‘

حضور علیہ السلام یہ واقعہ درج کرنے کے بعدمزید تحریر فرماتے ہیں۔

’’اور انہی دنوں میں شاید اس رات سے اوّل یا اس رات کے بعد میں نے کشفی حالت میں دیکھا کہ ایک شخص جو مجھے فرشتہ معلوم ہوتا ہے مگر خواب میں محسوس ہوا کہ اس کا نام شیر علی ہے۔ اس نے مجھے ایک جگہ لٹا کر میری آنکھیں نکالی ہیں اور صاف کی ہیں اور میل اور کدورت ان میں سے پھینک دی اور ہر ایک بیماری اور کوتاہ بینی کا مادّہ نکال دیا ہے اور ایک مصفّا نور جو آنکھوں میں پہلے سے موجود تھا مگر بعض مواد کے نیچے دبا ہوا تھا اس کو ایک چمکتے ہوئے ستارہ کی طرح بنا دیاہے اور یہ عمل کرکے پھر وہ شخص غائب ہو گیا اور میں اس کشفی حالت سے بیداری کی طرف منتقل ہو گیا۔‘‘

(تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد15 صفحہ 351-352)

حضور علیہ السلام نے جولائی 1899ء میں’’تریاق القلوب‘‘ کا آغاز فرمایا اور 1900ء میں اس کی اشاعت ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے واقعہ کے شروع میں جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ ’’تخمیناً پچیس برس کے قریب عرصہ گزر گیا ہے‘‘ اس سے یہ معلوم ہو تا ہے کہ یہ واقعہ اندازاً 1874ء یا 1875ء کا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس مذکورہ بالا پہلے رؤیا کا ذکر اپنی 1902ء کی تصنیف ’’ نزول المسیح‘‘ میں بھی فرمایا ہے۔ اور یہ رؤیا ذکر کرنے کے بعد حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔’’آنکھ کھلتے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ مولوی عبد اللہ کی وفات قریب ہے میرے لئے آسمان پر ایک خاص فضل کا ارادہ ہے اور پھر میں ہر وقت محسوس کرتا رہا کہ ایک آسمانی کشش میرے اندر کام کر رہی ہے۔ یہاں تک کہ وحی الٰہی کا سلسلہ جاری ہو گیا ۔ وہی ایک ہی رات تھی جس میں اللہ تعالیٰ نے بہ تمام و کمال میری اصلاح کر دی اور مجھ میں ایک ایسی تبدیلی واقع ہو گئی جو انسان کے ہاتھ سے یا انسان کے ارادہ سے نہیں ہو سکتی تھی۔‘‘

(نزول المسیح ، روحانی خزائن جلد 18صفحہ 614-615)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس مذکورہ بالا پہلے رؤیا میں جن مولوی عبد اللہ غزنویؒ کا ذکر فرمایا ہے یہ اپنے وقت کے صلحاء اور اہل اللہ میں سے تھے اور یہ وہی ہیں جن سے حضور علیہ السلام نے اپنے مدعا کے لئے دعا کی درخواست بھی کی تھی اور جب انہوں نے دعا کی تو بہت جلد الہاماً بتا دیا گیا تھا۔ (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22صفحہ 251)

2۔محبت رسول ﷺ اور درود کی برکت سے الہام الٰہی کے دروازے کھول دیئے گئے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام 1882ء کے ایک واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ ’’ایک رات اس عاجز نے اس کثرت سے درود شریف پڑھا کہ دل و جان اس سے معطر ہو گیا۔ اسی رات خواب میں دیکھا کہ آب زلال کی شکل پر نور کی مشکیں اس عاجز کے مکان میں لئے آتے ہیں اور ایک نے ان میں سے کہا کہ یہی وہ برکات ہیں جو تو نے محمد کی طرف بھیجی تھیں ﷺ۔ اور ایسا ہی عجیب ایک اور قصہ یاد آیا ہے کہ ایک مرتبہ الہام ہوا جس کے معنے یہ تھے کہ ملاء اعلیٰ کے لوگ خصومت میں ہیں یعنی ارادہ الٰہی احیاء دین کے لئے جوش میں ہے لیکن ہنوز ملاء اعلیٰ پر شخص محیّی کی تعین ظاہر نہیں ہوئی اس لئے وہ اختلاف میں ہے۔ اسی اثناء میں خواب میں دیکھا کہ لوگ ایک محیی کو تلاش کرتے پھرتے ہیں اور ایک شخص اس عاجز کے سامنے آیا اور اشارہ سے اس نے کہاھٰذَا رَجُلٌ یُّحِبُّ رَسُوْلَ اللّٰہِ یعنی یہ وہ آدمی ہے جو رسول اللہ سے محبت رکھتا ہے۔ اور اس قول سے یہ مطلب تھا کہ شرط اعظم اس عہدہ کی محبت رسول ہے۔ سو وہ اس شخص میں متحقق ہے۔‘‘

(براہین احمدیہ حصہ چہارم، روحانی خزائن جلد1صفحہ 598 حاشیہ در حاشیہ نمبر3)

انہی ایام(1882ء) میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض مبشر رؤیا، خوابیں اور کشف بھی دکھائے گئے جن کا ذکر حضور علیہ السلام نے اپنی کتب میں تحریر فرمایا ہے۔ حضور علیہ السلام اپنی تصنیف ’’ آئینہ کمالات اسلام‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں۔ (ترجمہ از عربی عبارت) ایک رات میں لکھ رہا تھا کہ اسی اثناء میں مجھے نیند آگئی اور میں سو گیا ۔ اس وقت میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ آپ ﷺ کا چہرہ بدر تام کی طرح روشن تھا۔ آپ ﷺ میرے قریب ہوئے اور میں نے ایسا محسوس کیا کہ آپؐ مجھ سے معانقہ کرنا چاہتے ہیں اور میں نے دیکھا کہ آپ کے چہرہ سے نور کی کرنیں نمودار ہوئیں اور میرے اندر داخل ہو گئیں۔ میں ان انوار کو ظاہری روشنی کی طرح پاتا تھا۔ اور یقینی طور پر سمجھتا تھا کہ میں انہیں محض روحانی آنکھوں سے ہی نہیں بلکہ ظاہری آنکھوں سے بھی دیکھ رہا ہوں۔ اور اس معانقہ کے بعد نہ تومیں نے محسوس کیا کہ آپؐ مجھ سے الگ ہوئے ہیں اور نہ ہی یہ سمجھا کہ آپ تشریف لے گئے ہیں۔ ان دنوں کے بعد مجھ پر الہام الٰہی کے دروازے کھول دیئے گئے اور میرے رب نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ یَا اَحْمَدُ بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکَ۔مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اُنْذِرَ اٰبَاۗؤُھُمْ وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلَ الْمُجْرِمِیْنَ۔ قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ......‘‘

(آئینہ کمالات اسلام ، روحانی خزائن جلد 5صفحہ 550)

3۔ایک ہی رات میں عربی زبان کا چالیس ہزار مادہ سکھا دیا گیا

1893ء میں ہندوستان کے بعض علماء نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی دانی پر اعتراض کیا اور حضور علیہ السلام کو علوم عربیہ سے بے بہرہ قرار دیا۔ مخالف علماء کی اس کیفیت کو دیکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور مدد طلب فرمائی۔ اس دعا کو اللہ تعالیٰ نے اس رنگ میں قبول فرمایا کہ ایک ہی رات میں عربی زبان کے 40 ہزار مادے آپؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکھائے گئے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عربی زبان کا علم دیئے جانے کے بعد حضور علیہ السلام نے عرب و عجم کے علماء کے کبر کو توڑنے کے لئے اور اہل عرب پر حجت قائم کرنے کے لئے فصیح و بلیغ عربی زبان میں کم و بیش 24 کتب بھی تحریر فرمائیں جن میں ہزاروں روپیہ کے انعامی چیلنج بھی دیئے لیکن کسی کو مقابلہ کی جرأت نہ ہو سکی۔

(انجام آتھم ، روحانی خزائن جلد 11صفحہ 234)

عربی کتب کی تصنیف و اشاعت کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو عربی زبان میں تقریر کرنے کا کبھی موقع نہ آیا تھا۔ اس کا انتظام بھی اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمایا ۔ وہ اس طرح پر کہ اپریل 1900ء میں عید الاضحیّہ سے ایک روز قبل یعنی یوم عرفہ کے دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مولوی حکیم نورالدینؓ کو ایک رقعہ کے ذریعہ یہ اطلاع دی کہ میں آج کا دن اور رات کا کچھ حصہ دعا میں گزارنا چاہتا ہوں موجودالوقت دوستوں کے نام اور پتے مجھے لکھ کر بھیج دیں۔تا دعا کے وقت وہ مجھے یاد رہیں۔ حضور علیہ السلام کے اس حکم کی تعمیل کی گئی اور ایک بڑی فہرست احباب کے ناموں اور پتوں کی حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا دی گئی۔ دوسرے دن عید تھی۔ حضرت مولوی عبد الکریم سیالکوٹیؓ صبح کے وقت حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کی میں آج خصوصیت سے عرض کرنے آیا ہوں کہ حضور تقریر ضرور کریں خواہ چند فقرے ہی ہوں۔ آپؑ نے فرمایاکہ ’’خدا نے مجھے بھی یہی حکم دیا ہے۔ آج صبح کے وقت الہام ہوا ہے کہ مجمع میں عربی میں تقریر کرو۔ تمہیں

DAILY LONDON ALFAZL ONLINE
www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION
Download on the App Store
ANDROID APP ON Google play
اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
0044 74 9378 5065
0044 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

قوت دی گئی ہے ۔ میں کوئی اور مجمع سمجھتا تھا ، شاید یہی مجمع ہو اور نیز الہام ہوا ہے کَلَامٌ اُفْصِحَتْ مِنْ لَّدُنْ رَبٍّ کَرِیْمٍ یعنی اس کلام میں خدا کی طرف سے فصاحت بخشی گئی ہے۔“

عید کی نماز کے لئے حضورؑ نے مسجد اقصیٰ ہی میں جمع ہونے کا ارشاد فرمایا تھا۔ آٹھ بجے صبح تک مسجد کے اندر کا حصہ اور صحن سارے کا سارا بھر گیا ۔ اندازاً دو سو کے قریب مجمع ہو گا ۔ حضرت اقدسؑ ساڑھے آٹھ بجے تشریف لائے۔ نماز حضرت مولانا عبدالکریمؓ نے پڑھائی اور خطبہ کے لئے حضرت اقدسؑ مسجد کے درمیانے دروازے میں کھڑے ہو گئے۔ پہلے خطبہ اردو زبان میں شروع کیا جس میں اسلام کے زندہ مذہب ہونے پر ایک شاندار تقریر کی ۔ ابھی تقریر ختم نہیں ہوئی تھی کہ حضرت مولوی عبدالکریمؓ نے عرض کی کہ حضور کچھ جماعت کے اتحاد و اتفاق کے موضوع پر بھی فرمایا جائے۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ نے اس موضوع پر بھی کچھ وعظ فرمایا ۔ اس کے بعد حضورؑ نے فرمایا کہ اب میں الہام الٰہی کے ماتحت عربی زبان میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ مولوی نورالدین صاحب اور مولوی عبد الکریم صاحب میرے نزدیک ہو کر بیٹھ جائیں اور خطبہ کے الفاظ نوٹ کرتے جائیں۔ حضرت اقدسؑ اس خطبہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔“تب میں عید کی نماز کے بعد عید کا خطبہ عربی زبان میں پڑھنے کے لیے کھڑا ہو گیا اور خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ غیب سے مجھے ایک قوت دی گئی۔ اور وہ فصیح تقریر عربی میں فی البدیہہ میرے منہ سے نکل رہی تھی کہ میری طاقت سے بالکل باہر تھی اور میں نہیں خیال کر سکتا کہ ایسی تقریر جس کی ضخامت کئی جزو تک تھی، ایسی فصاحت و بلاغت کے ساتھ بغیر اس کے کہ اول کسی کاغذ میں قلمبند کی جائے، کوئی شخص دنیا میں بغیر خاص الہام الٰہی کے بیان کر سکے۔ جس وقت یہ عربی تقریر جس کا نام ”خطبہ الہامیہ“ رکھا گیا ہے، لوگوں میں سنائی گئی اس وقت حاضرین کی تعداد شاید دو سو کے قریب ہوگی۔ سبحان اللہ ! اس وقت ایک غیبی چشمہ کھل رہا تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں بول رہا تھا یا میری زبان سے کوئی فرشتہ کلام کر رہا تھا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس کلام میں میرا دخل نہ تھا۔ خود بخود بنے بنائے فقرے میرے منہ سے نکلتے جاتے تھے۔ اور ہر ایک فقرہ میرے لئے ایک نشان تھا۔ ..... یہ ایک علمی معجزہ ہے جو خدا نے دکھلایا اور کوئی اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتا۔“

خطبہ کے بعد حضرت مولوی عبد الکریمؓ نے اس کا اردوترجمہ سنایا۔ اسی دوران حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرط جوش کے ساتھ سجدہ میں جا پڑے۔ آپؑ کے ساتھ تمام حاضرین نے بھی سجدہ شکر ادا کیا۔ سجدہ سے سر اٹھا کر حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ ابھی میں نے سرخ الفاظ میں لکھا دیکھا ہے کہ ”مبارک“ یہ گویا قبولیت کا نشان ہے۔

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22صفحہ 375۔376،نشان نمبر 165)

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام اپنے دعویٰ سے پہلے کوئی بہت بڑے عالم نہ تھے، نہ کسی مدرسہ کے تعلیم یافتہ تھے اور نہ ہی آپؑ کا شمار علماء میں کیا جاتا تھا۔لیکن جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا انبیاءؑ اور فرستادوں کے ساتھ یہی طریق ہے کہ وہ خود ان کا معلّم ہو کر ان کو خود علوم آسمانی سے بہرہ ور فرماتا ہے جیسا کہ حضرت آدمؑ کووَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا(البقرة:32) بیان فرما کر علوم عطا فرمائے گئے۔حضرت لوطؑ، حضرت یوسف، حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے بارہ میں یہی فرمایا کہ وَاٰتَیۡنٰہُ حُکۡمًا وَّعِلۡمًا اسے ہم نے حکمت و علم عطا کیا تھا۔ اورسورۃ انبیاء میں مذکوردیگر انبیاء کے بارہ میں بھی یہی فرمایا گیا وَکُلًّا اٰتَیۡنَا حُکۡمًا وَّعِلۡمًا اور ہر ایک کو ہم نے حکمت اور علم عطا کئے (الانبیاء:80) اور سب سے بڑھ کر نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَعَلَّمَکَ مَا لَمۡ تَکُنۡ تَعۡلَمُ اور تجھے وہ کچھ سکھایا جو تو نہیں جانتا تھا(النسآء : 114) بعینہ اسی طریق پر حضرت مرزا غلام احمدؑ کوعربی زبان کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس طرح علم دیا جانا آپؑ کے لئے ایک عظیم الشان نشان تھا۔اس کا ذکر کرتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ”میں قرآن شریف کے معجزہ کے ظل پر عربی بلاغت فصاحت کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے“ (ضرورۃ الامام ، روحانی خزائن جلد 13صفحہ 496)

یہ وہ تین خاص واقعات ہیں جو حضرت نبی کریمﷺ کی اپنی امّت میں ظاہر ہونے والے مہدی کی ایک علامت کو پورا کرنے والے ہیں۔یہی نہیں بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مبارک زندگی میں ان واقعات کے ظہور نے اَصۡدَقُ الصَّادِقِین نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کی بھی تصدیق کردی ہے کہ اَلۡمَہۡدِیُّ یُصۡلِحُہُ اللّٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ وَاحِدَۃٍ کہ مہدیؑ کواللہ تعالیٰ ایک ہی رات میں صالح بنا دے گا۔

علامات مہدی سے متعلق حکم و عدل حضرت مسیح موعودؑ کی ایک فکر انگیز تحریر سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام اپنی تصنیف”حقیقۃ الوحی“میں تحریرفرماتے ہیں۔”اور یہ خیال بھی اپنے دلوں میں سے نکال دوکہ جب تک وہ تمام علامتیں مسیح موعود اور مہدی معہود کی(جو صرف ظنّی روایات کی بناء پر تمہارے دلوں میں ہیں) پوری نہ ہو لیں تب تک قبول کرنا ہر گز روا نہیں۔یہ قول ان یہودیوں کے قول سے مشابہ ہے جنہوں نے نہ حضرت عیسیٰؑ کو قبول کیا اور نہ ہمارے نبی ﷺ کو۔ کیونکہ جو کچھ اپنی روایتوں کی بناء پر نشانیاں قرار دی تھیں وہ سب پوری نہ ہوئیں۔ پس کیا تم گمان کرتے ہو کہ وہ تمہاری قراردادہ علامتیں پوری ہو جائیں گی۔ نہیں بلکہ ایسی پیشگوئیوں میں ایک امتحان بھی مخفی ہوتا ہے اور خدا تمہیں آزماتا ہے کہ تم اس کے نشانوں کو عزت کی نگہ سے دیکھتے ہو یا نہیں۔ تمام روایات کب سچی ہو سکتی ہیں۔ بہت سی جھوٹی باتیں مل جاتی ہیں ان پر پورا تکیہ کرنا خطرناک امر ہے۔

یہ توبتلاؤ کہ کس نبی کی نسبت مقرر کردہ علامات پوری ہو گئیں جو پہلی قوم نے مقرر کر رکھی تھیں۔ پس خدا سے ڈرو اَور پہلے بدقسمت منکروں کی طرح خدا کے مرسل کو اس بناء پر ردّ مت کروکہ تم نے اس میں وہ تمام مقرر کردہ علامتیں نہ پائیں اور یقیناً یاد رکھو کہ یہ بات کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی کہ ان کی مقرر کردہ علامتیں آنے والے نبی میں پائی جائیں اسی لئے انہوں نے ٹھوکریں کھائیں اور جہنم میں پڑے۔ ورنہ تمام علامتیں پا کر پھر انکار کرنا انسان کی فطرت میں داخل نہیں۔ کوئی بات ٹھوکر کھانے کی ہوتی ہے جس سے بدقسمت انسان ٹھوکر کھاتا ہے۔ یہود کا گمان تھا کہ مسیح آنے والا ایک بادشاہ کی صورت میں آئے گا اور اس سے پہلے الیاس نبی دوبارہ آسمان سے نازل ہو گا۔ پس اسی وجہ سے آج تک انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو قبول نہیں کیا کیونکہ نہ تو ان سے پہلے الیاس نبی آسمان سے اُترا اور نہ حضرت عیسیٰؑ بادشاہ ہوئے، کوشش تو کی گئی مگر اس میں ناکام رہے۔ اور پھر ہمارے نبیﷺ کی نسبت یہودیوں کے عالموں بلکہ ان کے تمام نبیوں نے بھی یہی سمجھ رکھا تھا کہ وہ آخرالزّمان نبیﷺ بنی اسرائیل میں سے پیدا ہو گا۔ مگر ایسا ظہور میں نہ آیا بلکہ وہ نبی بنی اسماعیل میں سے پیدا ہو گیا۔ تب لاکھوں یہودی دولت قبول سے محروم رہ گئے۔ اگر خدا چاہتا تو ایسی صراحت سے علامتیں بیان کر دیتا کہ یہودی ٹھوکر نہ کھاتے۔ مگر جبکہ آنحضرتﷺ کے لئے یہ صراحت نہیں کی گئی تو پھر اَور کس کے لیے کی جاتی۔ پس یاد رکھو کہ ایسی پیشگوئیوں میں امتحان بھی مقصود ہوتا ہے۔ جو لوگ عقل سلیم رکھتے ہیں وہ اس امتحان کے وقت تباہ نہیں ہوتے اور روایات کو صرف ایک ظنی ذخیرہ خیال کر لیتے ہیں اور یہ بھی سمجھ لیتے ہیں کہ اگر کوئی روایت یا حدیث صحیح بھی ہو تب بھی اس کے معنی کرنے میں غلطی ہو سکتی ہے۔ پس وہ تمام مدار شناخت کا خدا کی نصرت اور خدا کی تائید اور خدا کے نشانوں اور شہادتوں کو قرار دیتے ہیں اور جس قدر علامتیں روایتوں کے ذریعہ سے میسر آگئی ہیں ان کو کافی سمجھتے ہیں اور باقی روایتوں کو ایک ردّی متاع کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ یہی طریق سعید فطرت یہودیوں نے اختیار کیا تھا جو مسلمان ہو گئے تھےاور یہی طریق ہمیشہ سے راستبازوں کا چلا آیا ہے اور اگر راستبازوں اور خدا ترسوں کا یہ طریق نہ ہوتا تو ایک نفس بھی یہودیوں اور عیسائیوں میں سے آنحضرتﷺ پر ایمان نہ لا سکتا اور نہ کوئی یہودی حضرت عیسیٰؑ کو قبول کر سکتا۔ بہت سے یہودی اس ملک میں رہتے ہیں ۔ ان کو پوچھ کر دیکھ لو کہ کیوں وہ لوگ حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرتﷺ پر ایمان نہیں لائے آخر وہ دیوانہ نہیں ہیں کوئی عذر تو ان کے پاس ہے۔ پس تم یاد رکھو کہ ان کی طرف سے تم یہی جواب پاؤ گے کہ وہ علامتیں جو ان کی احادیث اور روایتوں میں لکھی تھیں پوری نہیں ہوئیں اور اس طرح پر وہ اس ضد پر قائم رہ کر واصل جہنم ہو گئے اور ہوتے جاتے ہیں۔ اب جبکہ ثابت ہوا کہ تمام قرار دادہ علامتوں کا پورا ہونا شرطِ ایمان قرار دینا جہنم کی راہ ہے جس کی وجہ سے کئی لاکھ یہودی واصل جہنم ہو چکے تو اس راہ کو تم کیوں اختیار کرتے ہو۔ مومن کو چاہئے کہ دوسرے کے حالات سے عبرت پکڑے۔ کیا تم تعجب کرتے ہو کہ جس امتحان میں خدا تعالیٰ نے یہودیوں کو ڈالا تھا وہی امتحان تمہارا بھی کیا گیا ہو۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے الٓمّٓ۔اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَھُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ(العنکبوت2۔3)یقیناً سمجھو کہ یہ کاروبار خدا کا ہے نہ انسان کا۔ پس قبول کرنے میں سابقین میں داخل ہو جاؤ۔ اور خدا سے مت لڑو کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ اور اگر تم تقویٰ کی نظر سے دیکھو تو تم سمجھ سکتے ہو کہ جس قدر تم نے مخالف روایات کو مضبوط پکڑ لیا ہے عقل اور انصاف تم پر یہ واجب نہیں کرتا کہ تم ضرور ایسا کرو۔ کیونکہ وہ سب مجموعہِ ظنّیات ہے کہ جو احتمالِ کذّب بھی رکھتا ہے اور قابل تاویل بھی ہے۔ پس اپنی جانوں پر رحم کرو یقین کے پہلو کو کیوں چھوڑتے ہو۔ کیا ظنّ یقین کے ساتھ برابر ہو سکتا ہے۔ کیا ممکن نہیں کہ وہ روایتیں صحیح نہ ہوں جن کو تم صحیح سمجھتے ہو یا اَور معنی ہوں۔ کیا وہ بلا جو یہودیوں کو تمام علامتوں پر ضد کرنے سے پیش آئی وہ تمہیں پیش نہیں آسکتی سو تم ان کی لغزشوں سے فائدہ اٹھا لو۔“ (تتمہ حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22صفحہ 599۔601)

اپنے مقام سے غافل لوگوں کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔”وَلَیۡسَ اَحَدٌ اَشۡقٰی مِنَ الَّذِیۡ یَجۡھَلُ مَقَامِیۡ“اس شخص سے زیادہ بد بخت کوئی نہیں جو میرے مقام سے بے خبر ہے۔“

(تذکرۃ الشہادتین، عربی حصہ روحانی خزائن جلد 20صفحہ 91)

حضور علیہ السلام اپنے ایک فارسی شعر میں فرماتے ہیں۔

امروز قوم من نشناسد مقام من
روزے بگریہ یاد کند وقت خوشترم

”آج میری قوم نے میرے مقام کو نہیں پہچانا لیکن وہ دن آتا ہے کہ میرے مبارک اور خوش بخت زمانہ کو یاد کر کے لوگ رویا کریں گے۔“

طلوع و غروب آفتاب

26مئی2020ء

	طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ	04:15	18:57
مدینہ منورہ	04:07	19:03
قادیان	03:49	19:25
ربوہ	03:29	19:08
اسلام آباد ٹلفورڈ	03:29	21:03